سسکتے اورایڑیاں رگڑتے موت کا منتظر دیکھا تو سکندر نے آب حیات پینے کا ارادہ ترک کر دیا اور بغیر پانی پیئے واپس آ گیا۔

سوال نمبر۳: مرزا غالبؔ کی غزل گوئی پر مختصر نوٹ لکھیے؟

جواب: اردو نثر کی طرح اُردو شاعری پر بھی غالب کا بڑا احسان ہے۔ان سے پہلے اردو غزل میں حُسن و عاشقی کے سوا کچھ نہ تھا۔لیکن غالب نے زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اپنی شاعری کا موضوع بنالیا۔اس سے اردو غزل کا دامن بہت وسیع ہو گیا اور اس سے غزل میں ہر طرح کے مضامین داخل ہونے کی شروعات ہوئی۔غالب کا کلام تین دور میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔پہلا دور وہ ہے جس میں برائے نام اُردو کے الفاظ ہیں دوسرا دور وہ ہے جس میں زبان کسی قدر صاف ہوگئی ہے۔اور ترکیبیں بھی سہل ہوگئی ہیں۔تیسرا دور وہ ہے جب فارسی ترکیبیں اور پیچدار باتیں قریب قریب بالکل جاتی رہی ہیں۔اس دور میں ان کی شاعری میں مزہ زیادہ ہوگیا۔سلاست اور روانی خاص طور پر نمایاں ہے۔جدت اور ندرت سے کلام کسی بھی دور میں خالی نہیں۔بڑے بڑے مضامین نہایت اختصار کے ساتھ ایک شعر میں نظم کر دیتے ہیں۔دردوغم کی داستان نہایت موثر اور مختصر الفاظ میں بیاں کرتے ہیں۔غالباً یہ طرز ادا میرؔ کے یہاں سے حاصل کی ہے۔جہاں کہیں ان کے کلام میں شوخی ہے وہ نہایت دل کش ہے۔

سوال نمبر۴: شاعر کا حوالہ دیکر ان اشعار کی وضاحت کریں:۔

نہ سنو گر بُرا کہے کوئی — نہ کہو گر بُرا کرے کوئی

روک لو گر غلط چلے کوئی — بخش دو گر خطا کرے کوئی

جواب: ان دو اشعار میں غالبؔ نصیحت کے انداز میں فرماتے ہیں اگر کوئی شخص تمہیں بُرا بھَلا کہے تو سُن کر خاموش ہو جاؤ اگر کوئی تمہارے ساتھ برائی کرے تو اُسے برداشت کرلو۔اگر کوئی شخص غلط راہ اختیار کرے تو اُسے اس فعل سے باز رکھو اور اگر کوئی شخص قصور کرے تو اُسے معاف کردو۔

سوال نمبر۵: غزل نمبر۲ کے قافیے اپنی نوٹ بُک پر لکھو؟

جواب: قافیے یہ ہیں:۔بر۔نظر۔بھر۔پر۔کر۔مگر۔

سوال نمبر ۶: مصرع جوڑ کر شعر مکمل کریں؟

۱) کون ہے جو نہیں ہے حاجتمند کس کی حاجت روا کرے کوئی ۔۲) ابن مریم ہوا کرے کوئی میرے دکھ کی دوا کرے کوئی ۔۳) کیا کیا خضر نے سکندر سے اب کسے رہنما کرے کوئی ۔۴) کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالبؔ شرم تم کو مگر نہیں آتی ۔

سوال نمبر ۷: وضاحت کریں: کیا کیا۔۔۔۔۔۔کرے کوئی کعبہ کس منہ۔۔۔۔۔۔مگر نہیں آتی۔

جواب: ان دونوں اشعار کی تشریح صفحہ نمبر ۸۳ اور ۸۴ پر درج ہے۔

﴾خاکہ نگاری﴿

خاکہ یعنی سکیچ (SKETCH) سے مراد ایک ایسی نثری تحریر ہوتی ہے۔ جس میں کسی شخصیت کی منفرد اور نمایاں خصوصیات کو اس انداز سے بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی مکمل تصویر آنکھوں کے سامنے آ جائے اردو ادب میں خاکہ نگاری کا فن کچھ زیادہ پُرانا نہیں ہے۔ اس کی بنیاد یورپ میں پڑی اور بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں یہ یورپ سے ہندوستان میں پہنچی۔ اس صنف میں مضمون یا انشائیہ کی طرح وضاحت کی زیادہ گنجائش نہیں ہوتی۔ مختصر الفاظ اور جملوں کی وساطت سے ایک شخص یا شخصیت کے کردار کے خدوخال اُبھارنے پڑتے ہیں۔ اس لئے خاکہ نگاری میں لفظوں اور جملوں کی اہمیت کافی بڑھ جاتی ہے۔ خاکہ مثبت (POSITIVE) بھی ہو سکتا ہے اور منفی (NEGATIVE) بھی۔ اب یہ خاکہ نگار کے موڈ پر منحصر ہے کہ وہ کس روش پر چل پڑے۔ خاکہ نگاری میں خاکہ نگار کے مزاج کا بھی خاصا دخل ہوتا ہے۔ اُردو میں خاکہ نگاری کا باقاعدہ آغاز فرحت اللہ بیگ کی تحریر ''نذیر احمد کی کہانی'' سے ہوا۔ بعد میں خوشتر گرامی نے اپنے ماہنامہ ''بیسویں صدی'' نام کے رسالہ میں خاکہ نگاری مستقل طور پر پیش کی۔ خوشتر نے بہت سے سیاسی اور ادبی اشخاص کے خاکے لکھے ہیں خاکہ نگاری کے ساتھ ساتھ خاکہ نگار ایک کارٹون کا بھی سہارا لیا کرتا ہے تاکہ اس کارٹون کے ذریعہ بھی اس شخصیت کے کچھ خدوخال اُبھارے جا سکیں۔ اردو ادب میں عبدالحق، فرحت اللہ بیگ، حسن نظامی اور رشید احمد صدیقی کے نام خاکہ نگاری کے لئے بہت مشہور ہیں۔

﴾مولوی عبدالحق﴿

بابائے اردو مولوی عبدالحق قصبہ ہاپوڑ کے قریب سراوہ میں ۲۰ اگست ۱۸۷۰ء کو پیدا ہوئے اور ۱۸۹۴ء میں علی گڈھ یونیورسٹی سے بی۔ اے کیا پھر پنجاب اور حیدر آباد میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ عثمانیہ کالج اورنگ آباد میں بطور پرنسپل کام کیا۔ پھر عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد میں اردو کے پروفیسر ہوئے اور پھر شعبہ اُردو کے پروفیسر ہوئے اور بعد میں شعبہ اردو کے صدر بنے ہر جگہ نیک نامی کے ساتھ اپنے فرایض انجام دیتے رہے۔ انجمن ترقی اُردو کے سکریڑی مقرر ہوئے۔ اور زندگی بھر اس ادارے کی ترقی اور کامیابی کے لئے جی جان سے کوشش کرتے رہے۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد انجمن ترقی اُردو کے دفتر کو حیدر آباد سے دہلی لائے۔ اور انجمن کی لابریری میں بہت سی نادر کتابوں کا ذخیرہ جمع کیا۔ آلہ آباد یونیورسٹی نے ایل۔ ایل۔ ڈی اور علی گڈھ یونیورسٹی نے ڈی۔ لٹ کی اعزازی ڈگریاں دے کر مولوی عبدالحق کی مجموعی خدمات کا اعتراف کیا۔ مولوی عبدالحق ایک محقق، سوانح نگار، زبان دان، قواعد دان اور لغت نویس تھے ۱۱ اگست ۱۹۶۱ء کو کراچی میں فوت ہوئے۔ اُن کا لکھا ہوا حالیؔ کا خاکہ درسی کتاب میں شامل ہے۔

سوال نمبر ۱: قومی اتحاد کے بارے میں مولانا حالیؔ کا کیا خیال تھا؟

جواب: مولانا حالیؔ ہندو مُسلم اتحاد کے بڑے حامی تھے۔ وہ ایک سچے وطن پرست اور قومی اتحاد کے علم بردار تھے۔ تعصب اُن میں نام کو نہ تھا۔ ہر قوم وملت کے آدمی سے یکساں خلوص اور محبت سے پیش آتے تھے۔ جب کبھی ہندو مسلم فساد کا کوئی واقعہ سُنتے تھے۔ تو اُنہیں بہت رنج اور افسوس ہوتا تھا۔ تحریر و تقریر کی تو بات ہی نہیں۔ نجی گفتگو میں بھی اُن کی زبان سے ایسا کوئی کلمہ سننے میں نہیں آیا۔ جو کسی فرقے کی دل آزاری کا باعث ہو۔ وہ ایک انسان دوست آدمی تھے۔ اُن کے دل میں ہر کسی کے لئے محبت تھی، خلوص تھا وہ ہر قوم اور مذہب کی سچے دل

سے عزت کرتے تھے انہوں نے ہمیشہ قومی اتحاد پر کافی زور دیا۔

سوال نمبر ۲: مولانا حالؔی نے عملی میدان میں کون سی دو یادگاریں چھوڑی ہیں؟

جواب: مولانا حالی نے اپنی لباط کے مطابق عملی میدان میں اپنی دو یادگاریں چھوڑی ہیں ان میں سے ایک اپنے وطن پانی پت میں ایک مدرس قائم کیا تھا۔ جواب حالی ہائی اسکول کے نام سے موسوم ہے۔ اور دوسری یادگار اورینٹل لائبریری ہے۔ جس سے پانی پت کے لوگوں کے ساتھ ساتھ دیگر ریاستوں کے طالب علم مستفید ہوتے ہیں۔

سوال نمبر ۳: مندرجہ ذیل تین نثری اصناف کس طرح ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

(ا) خاکہ نگاری (ب) سوانح نگاری (ج) شخصیت نگاری

جواب: اگر ہمیں کسی شخص کے بارے میں کچھ لکھنا ہو تو اس کے کئی طریقے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کی زندگی کے حالات بیاں کیے جائیں۔ اس کو ''سوانح نگاری'' کہتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ اُس شخص سے جو کچھ ہمارا میل جول رہا ہے اس کی روشنی میں ہم اس کے بارے میں اظہار خیال کریں۔ اس کو ''خاکہ نگاری'' کہتے ہیں۔ تیسرا یہ کہ اس شخص کے بارے میں بطور شخص کے ہم جو کچھ جانتے ہیں اس کو بیاں کریں۔ اس کو ''شخصیت نگاری'' کہتے ہین۔ یعنی سوانح نگاری میں پوری زندگی اور اس کی تفصیلات کا بیاں ہوتا ہے۔ ''خاکہ نگاری'' میں ذاتی تاثرات بیان کئے جاتے ہیں اور شخصیت نگاری میں ذاتی تاثرات اور دوسرے ذرائع سے حاصل کی ہوئی معلومات درج کی جاتی ہے۔

سوال نمبر ۴: مندرجہ ذیل بیانات کے ثبوت کے طور پر سبق میں سے ایک ایک واقعہ تلاش کر کے لکھئے۔

(ا) مولانا حالؔی شہرت اور خودنمائی پسند نہیں کرتے تھے۔

جواب: مولانا حالؔی کو نام ونمود چھو کر نہیں گیا تھا ورنہ شہرت وہ بد بلا ہے کہ جہاں یہ آتی ہے کچھ نہ کچھ شیخی آ ہی جاتی ہے لیکن حالی اسے مبّرا تھے۔ ہمارے شاعروں میں تو تعلیٰ عیب ہی نہیں رہی بلکہ شیوہ ہوگئی ہے۔ لیکن مولانا سیدھی سادی باتیں کرتے تھے۔ اور جیسا کہ عام طور پر دستور ہے باتوں باتوں میں شعر پڑھنا' بحث کر کے اپنی فضیلت جتانا اور اشارے کنائے میں دوسروں کی تحقیر اور در پردہ اپنی بڑائی دکھانا مولانا حالؔی میں بالکل نہ تھا۔ اُن کا ذوق شعر اعلیٰ درجے کا تھا۔ لیکن وہ خواہ مخواہ اُس کی نمائش نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ہاں جب کوئی پوچھتا یا اتفاق سے بات آ پڑتی تو وہ کھل کر اُس کے نکات بیاں کرتے تھے۔

(ب) مولانا حالؔی زبردست مہمان نواز تھے۔

جواب: مولانا حالؔی مہماں کے آنے سے وہ بہت خوش ہوتے تھے اور سچے دل سے اُن کی خاطر تواضع کرتے تھے اور اُس کے خوش رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ مثال کے طور پر یہ واقعہ پیش کر سکتے ہیں کہ مولوی انور احمد مرحوم کہتے تھے کہ ایک بار وہ پانی پت گئے موسم سرما تھا اندھیرا ہو چکا تھا وہ اسٹیشن سے سیدھے مولانا کے مکان پر پہنچے۔ دالان کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے پردہ اُٹھایا اور جھانک کر دیکھا مولانا فرش پر بیٹے تھے اور سامنے آگ کی انگیٹھی رکھی تھی۔ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اُٹھ کر ملے اور اپنے پاس بٹھایا۔ مزاج پُرسی کے بعد کچھ دیر ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں اس کے بعد کھانا منگوایا۔ مرحوم انور احمد کھانے کے بہت شوقین تھے۔ ان کے لئے ملائی منگوائی

کیونکہ پانی پت کی ملائی بہت مشہور ہے۔کھانا کھانے کے بعد کچھ وقت بات چیت میں گذرا اور پھر ان کے لئے پلنگ بچھوا کر بستر کروا دیا اور خود آرام کرنے کے لئے چلے گئے۔اور سو گئے مولوی انور کہتے ہیں کہرات کے بارہ ایک بجے اُنہیں ایسا محسوس ہوا کہ کوئی شخص ان کی رضائی کو آہستہ آہستہ چھو رہا ہے انھوں نے چونک کر پوچھا ''کون'' مولانا صاحب نے کہا ''میں ہوں''۔آج سردی زیادہ ہے مجھے خیال ہوا کہ شاید آپ کے پاس اُوڑھنے کا سامان کافی نہ ہو تو یہ کمبل لایا تھا اور آپ کو اُوڑھا رہا تھا۔انور صاحب کہتے تھے کہ ''مجھ پر اُن کی اس شفقت کا ایسا اثر ہوا کہ عمر بھر نہں بھول سکتا۔

(ج) مولانا حالؔی بعض اوقات چھوٹوں کا بھی ادب کرتے تھے؟

جواب: مولانا حالؔی میں خاکساری اور فروتنی خلقی تھی۔اس قدر بڑے ہونے پر بھی چھوٹے بڑے سب سے جھک کر اور خلوص سے ملتے تھے جو کوئی ان سے ملنے آتا خوش ہو کر جاتا اور پھر عمر بھر ان کے حُسن اخلاق کا مدّاح رہتا تھا ان کا رتبہ بڑھا تھا مگر انہوں نے کبھی اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھا۔ بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر شفقت تو وہ کرتے ہی تھے لیکن بعض اوقات وہ اپنے سے چھوٹوں کا بھی ادب کرتے تھے طالب علمی کے زمانے میں ایک بار وہ جب علی گڈھ میں مقیم تھے۔میں اور مرحوم مولوی حمیدالدین اُن سے ملنے گئے تو وہ سروقد تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ہم اپنے دل میں بڑے شرمندہ ہوئے بلکہ مولوی حمیدالدیں نے کہا بھی کہ آپ ہمیں تعظیم دے کر شرمندہ کرتے ہیں۔فرمانے لگے کہ آپ لوگوں کی تعظیم نہ کروں تو کس کی کروں؟ آئندہ آپ ہی تو قوم کے ناخدا ہونے والے ہیں۔

سوال نمبر۵: مصنف کا حوالہ دے کر سیاق وسباق کے ساتھ درج ذیل اقتباس کا ماحصل لکھئے؟

اقتباس: ''جدید تعلیم کے بڑے حامی تھے و۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس سے اعلیٰ توقع تھی''

جواب: یہ اقتباس ہماری اردو کی درسی کتاب میں درج سبق ''حالؔی کا خاکہ'' سے لیا گیا ہے۔اور اس میں مولوی عبدالحق مولانا حالؔی کے بارے میں لکھتے ہین کہ خواجہ الطاف حسین حالؔی نہ صرف ایک بڑے عالم تھے بلکہ جدید علم کی ضرورت سے بخوبی واقف تھے۔وہ جدید تعلیم کے بہت بڑے حمایتی تھے۔ان کی دلی آرزو تھی کہ ہندوستان کے لوگ نئی تعلیم کے نور سے منور ہوں۔انہوں نے نئی تعلیم کو عام کرنے کے لئے جو بھی قدم اٹھائے گئے کا بھرپور ساتھ دیا۔لیکن اپنی عمر کے آخری ایام میں کالجوں کے طالب علموں کو دیکھ کر انہیں مایوسی ہونے لگی تھی۔کیونکہ طالب علم تعلیم کے اصل مقصد کو بُھول کر فضول اور خرافاتی باتوں میں اپنا وقت ضائع کرتے تھے۔ان کی توقعات بہت اونچی تھیں لیکن تعلیم کے گرتے ہوئے معیار کو دیکھ کر اُنہیں افسوس ہوتا تھا۔ایک مرتبہ ان کے نام حیدرآباد میں علی گڈھ سے ''اولڈ بوائے'' نام کا رسالہ آیا۔اُسے پڑھ کر اُنہیں سخت مایوسی ہوئی۔کیونکہ اس میں بے معنی باتوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔اس میں مسخراپن زیادہ تھا۔خرافات سے بھرا ہوا تھا جبکہ اُنہیں علی گڈھ کے طلباء سے بہت اعلیٰ اور اُونچے معیار کی اُمید تھی۔

سوال نمبر ۶: خالی جگہیں پُر کریں:۔

جواب:

واحد	جمع	واحد	جمع	واحد	جمع	واحد	جمع	واحد	جمع
کتاب	کتابیں	قلم	قلمیں	بات	باتیں	رات	راتیں	نظم	نظمیں
ادب	آداب	وقت	اوقات	سبب	اسباب	فلک	افلاک	طرف	اطراف

مندرجہ ذیل الفاظ کو اس طرح جملوں میں استعمال کیجئے کہ انکی تذکیر و تانیث واضح ہو جائے:

جواب:

لفظ	تذکیروتانیث	جملے	لفظ	تذکیروتانیث	جملے
دہی	مذکر	بازار سے دو رُوپیہ کا دہی لاؤ۔	چاند	مذکر	عید کا چاند نظر نہیں آیا۔
مالا	مونث	یہ مالا میں نے بنائی ہے۔	آبشار	مذکر	کیا آپ نے اہربل کا آبشار دیکھا ہے
برف	مونث	کشمیر میں زیادہ برف ہوتی ہے۔	دل	مذکر	میرا دل تو تجھ پر آیا ہوا ہے

سوال نمبر ۷: مثال دیکھ کر خالی جگہیں پُر کریں:۔

مذکر	مونث	مذکر	مونث	مذکر	مونث	مذکر	مونث
منشی	منشاین	ٹھاکر	ٹھاکرائن	کھیتری	کھیترانی	نائی	نائن
چوہدری	چوہدراین	فرنگی	فرنگن	قصائی	قصائن	حلوائی	حلوائن

سوال نمبر ۸: مثال دیکھکر متضاد الفاظ لکھیے:

جواب: مثال:۔ قریب = دور + باہر = اندر

الفاظ	ضد	الفاظ	ضد	الفاظ	ضد	الفاظ	ضد
قریب	دور	اُوپر	نیچے	وسیع	تنگ	نرم	سخت
باہر	اندر	دن	رات	پہلا	پچھلا	اعلیٰ	ادنی

گرامر: وہ مرکب جو اسم اشارہ اور مشار الیہ سے مل کر بنے مرکب اشاری کہلاتا ہے۔

مثلاً یہ کتاب، وہ قلم۔ ان دو مرکبوں میں ''یہ'' اور ''وہ'' اسم اشارہ ہیں۔ جب کہ کتاب'' اور ''قلم'' مشار الیہ سے مراد وہ چیز جس کی طرف اشارہ کیا جائے اور اسم اشارہ سے مراد وہ اسم ہے جو کسی چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لئے بولا جائے۔

سوال نمبر۹: درج ذیل جملوں میں سے مرکب اشاری تلاش کریں۔

(ا) وہ کتاب بہت دل چسپ ہے (ب) یہ لڑکا ذہین ہے (ج) یہ قلم اور وہ پنسل میں نے سرینگر سے خریدے ہیں۔

جواب: وہ کتاب + یہ لڑکا + یہ قلم + وہ پنسل مرکب اشاری ہیں۔

﴿جنس کے لحاظ سے اسم کی اقسام﴾

جنس کے اعتبار سے اسم کی دو قسمیں ہیں۔ (ا) مذکر (۲) مونث

(ا) مذکر: وہ اسم ہے جو نر کے معنوں میں لیا جائے جیسے لڑکا۔ مرد۔ وغیرہ۔

(۲) مونث: وہ اسم ہے جو مادہ کے معنوں میں بولا جائے مثلاً لڑکی۔ عورت + جان دار اسماء کی تذکیر و تانیث حقیقی ہوتی ہے۔ کیونکہ قدرتی طور پر ان میں نر اور مادہ کے جوڑے موجود ہیں۔

ا: انسانی تذکیر و تانیث (مذکر و مونث کے لئے الگ الگ الفاظ ہیں۔)

مذکر	مونث	مذکر	مونث	مذکر	مونث	مذکر	مونث
ابّا	امّاں	بہنوئی	بہن	سسر	ساس	مرد	عورت
اُبو	امّی	خاوند	بیوی	شوہر	جورو	میاں	بی بی
باپ	ماں	خسرو	خوش دامن	صاحب	میم۔بیگم	میاں	بیوی
بادشاہ	ملکہ	خصم	جورو	غلام	لونڈی	نواب	بیگم
بھائی	بہن	خواجہ	خاتون	غلام	کنیز	دوست	سہیلی
بھائی	بھاوج	داماد	بہو	ماموں	ممانی	رنڈوا	بیوہ

۲: عربی زبان کے ''فاعل'' کے وزن پر آنے والے اسمائے ان کے مونث اسماء ''فاعلہ'' کے وزن پر آتے ہیں۔

مذکر	مونث	مذکر	مونث	مذکر	مونث	مذکر	مونث
بالغ	بالغہ	زاہد	زاہدہ	ظالم	ظالمہ	ناصر	ناصرہ
حاکم	حاکمہ	شاعر	شاعرہ	عالم	عالمہ	وارث	وارثہ
خادم	خادمہ	طالب	طالبہ	فاضل	فاضلہ	عابد	عابدہ

۳: اگر مذکر کے آخر میں ''ا'' یا ''ہ'' ہو تو مونث بناتے وقت اسے یائے معروف (ی) سے بدل دیتے ہیں۔ مثلاً

مذکر	مونث	مذکر	مونث	مذکر	مونث	مذکر	مونث
اندھا	اندھی	بے چارہ	بے چاری	چمار	چماری	گنجا	گنجی

بچہ	بچی	پٹھان	پٹھانی	دادا	دادی	لوہار	لوہاری
بیٹا	بیٹی	پوتا	پوتی	دوہتا	دوہتی	نانا	نانی
بھتیجا	بھتیجی	پھوپھا	پھوپھی	سالا	سالی	نواسہ	نواسی
بڈھا	بڑھیا	ترکھان	ترکھانی	شہزادہ	شہزادی	ہمسایہ	ہمسائی
برہمن	برہمنی	جولاہا	جولاہی	کانا	کانی	لنگڑا	لنگڑی
بوڑھا	بڑھیا	چچا	چچی۔چاچی	کمہار	کمہاری	بہرا	بہری

۴: مذکر (اسم فاعل) کے آخر میں ''ا'' یا ''ی'' ہوتو تو مونث بناتے وقت ''نون'' بڑھا دیتے ہیں۔ مثلاً

مذکر	مونث	مذکر	مونث	مذکر	مونث	مذکر	مونث
بڑھئی	بڑھائن	پڑوسی	پڑوسن	دھوبی	دھوبن	گویا	گائن
بنجارہ	بنجارن	ٹھیٹھرا	ٹھیٹھرن	رنگریز	رنگریزن	مالی	مالن
بنگالی	بنگالن	چوہدری	چوہدرائن	سمدھی	سمدھن	مولوی	مولون
بنیا	بنیائن	حاجی	حاجن	سنار	سنارن	نائی	نائن
بھکاری	بھکارن	حلوائی	حلوائن	کیسرا	کیسرن	نیاریا	نیارن
بھنگی	بھگن	درزی	درزن	کنجڑا	کنجڑن	یہودی	یہودن
پارسی	پارسن	دولہا	دولہن	گوالا	گوالن	فرنگی	فرنگن

۵: مذکر کے آخری حرف کو حذف کر کے یا بلا حذف کئے ''نی'' یا ''انی'' سے مونث بن جاتی ہے مثلاً

مذکر	مونث	مذکر	مونث	مذکر	مونث	مذکر	مونث
اُستاد	استانی	دیور	دیورانی	شیخ	شیخانی	مغل	مغلانی
پنڈت	پنڈتانی	ڈوم	ڈومنی	قلعی گر	قلعی گرنی	مُلا	ملانی
جمعدار	جمعدارنی	راجہ	رانی	فقیر	فقیرانی	مہتر	مہترانی
جیٹھ	جیٹھانی	سادھو	سادھنی	ماموں	ممانی	نوکر	نوکرانی
درویش	درویشنی	سیٹھ	سیٹھانی	کھیتری	کھیترانی	نٹ	نٹنی
دیوانہ	دیوانی	سید	سیدانی	مسلمان	مسلمانی	ہندو	ہندوانی

۶:عربی اسمای میں مونث کی علامت ''ہ'' ہے یہ فارسی الفاظ کے آکر میں بھی آتی ہے۔

مذکر	مونث	مذکر	مونث	مذکر	مونث	مذکر	مونث
اداکار	اداکارہ	زوج	زوجہ	گلوکار	گلوکارہ	معلم	معلّمہ
حسین	حسینہ	سلطان	سلطانہ	ضعیف	ضعیفہ	ملک	ملکہ
خالو	خالہ	عزیز	عزیزہ	محترم	محترمہ	والد	والدہ
رفیق	رفیقہ	قیصر	قیصرہ	مریض	مریضہ	طالب	طالبہ

۷: انگریزی کے بعض مذکر مونث اُردو میں استعمال ہوتے ہیں جیسے ایکٹر سے ایکٹریس +ڈاکٹر سے لیڈی ڈاکٹر + لیکچرار سے لیڈی لیکچرار+ ہیڈ ماسٹر سے ہیڈ مسٹریس+ ہیرو سے ہیروین وغیرہ۔

۸: ترکی زبان کے الفاظ میں مذکر کے آخر میں ''م'' لگا کر مونث بتاتے ہیں۔مثلاً۔ بیگ سے بیگم۔خان سے خانم۔

۹: بعض اسم مذکر اسم مونث سے بنائے جاتے ہیں جیسے بہن سے بہنوئی۔ پھوپھی سے پھوپھا۔خالہ سے خالو وغیرہ۔

۱۰: ذیل کے اسما مذکر بولے جاتے ہیں۔ان کے مقابلے میں کوئی مونث لفظ استعمال نہیں ہوتا۔جیسے؛

بابا۔باوا۔بھاٹ۔بھڑوا۔پہلوان۔درویش۔دیو۔فرشتہ۔متبنّیٰ۔مہاجن۔نبی۔ہم زلف۔ہیجڑا وغیرہ۔

۱۱: ذیل کے اسماء مونث بولے جاتے ہیں ان کے مقابلے میں کوئی مذکر لفظ نہیں بولا جاتا ہے۔جیسے؛

آپا۔آنّا۔باجی۔پری۔دایہ۔حور۔طوائف۔سوت۔سوکن۔سہاگن۔سہیلی۔طائفہ اور کسبی۔

۱۲: مندرجہ ذیل اسماء مذکر اور مونث دونوں طرح بولے جاتے ہیں۔جیسے۔بچہ۔رکن۔پروفیسر۔داروغہ۔دوست۔سکریٹری۔غریب۔ صدر۔فرزند۔کھلاڑی۔مسافر۔مہر۔وزیر۔یتیم۔

۱۳: بعض اوقات مذکر اسم خاص سے بھی ''ن'' لگا کر مونث بنالیتے ہیں مثلاً۔امیر سے امیرن۔امامی سے امامن۔رحیم سے۔رحیمن۔کریم سے کریمن۔محمد سے محمدن۔نور سے نورن۔مراد سے مرادن۔

﴿حیوانات کی تذکیر و تانیث﴾

ا۔مذکر،مونث کے لئے الگ الگ الفاظ موجود ہیں۔جیسے اونٹ سے سانڈنی۔بیل سے گائے۔مینڈھا سے بھیڑ۔

۲۔مذکر اسم کے آخر میں ''ا'' کو یائے معروف (ی) سے بدل کر مونث بنالیتے ہیں۔مثلاً۔بکرا سے بکری۔مرغا سے مرغی۔مکڑا سے مکڑی۔ گھوڑا سے گھوڑی۔بلا سے بلی وغیرہ۔

۳۔مذکر اسم کے آخر میں یائے معروف (ی) کے اضافے سے مونث بناتے ہیں۔جیسے؛ بھوت سے بھوتنی۔تیتر سے تیتری۔کبوتر سے کبوتری۔مرغ سے مرغی۔ہرن سے ہرنی وغیرہ۔

۴۔مذکر اسم کے آخر میں ''یا'' بڑھا دینے سے مونث بن جاتا ہے۔مثلاً؛ بندر سے بندریا۔کتا سے کتیا۔چڑا سے چڑیا۔گدھا سے گدھیا۔

چوہا سے چوہیا وغیرہ۔

۵۔مذکر اسم کے آخر میں ''نی'' یا ''انی'' لگا کر جیسے اونٹ سے اونٹنی۔شیر سے شیرنی۔سور سے سورنی۔مور سے مورنی۔

۶۔بعض جانوروں کے اسم مذکر بولے جاتے ہیں مثلاً؛ اژدھا۔اُلو۔باز۔بچھو۔بگلا۔جگنو۔بھیڑیا۔پتنگا۔پروانہ۔جھینگر۔چکور۔چیتا۔پپیہا۔خرگوش۔سارس۔سرخاب۔شاہین۔طوطا۔عقاب۔کوّا۔کچھوا۔کھٹمل۔گِدھ۔مچھر۔مگرمچھ۔نیل۔نیولا۔ہدہد۔گرگٹ۔

۷۔بعض جانوروں کے اسم مونث بولے جاتے ہیں جیسے؛ ابابیل۔بٹیر۔بطخ۔بھڑ۔تتلی۔جُوں۔چڑیل۔چکور۔چمگاڈر۔چھپکلی۔چیل۔دیمک۔ڈائن۔فاختہ۔کوئل۔قمری۔گلہری۔مچھلی۔مکھی۔

﴾بے جان اسماء کی تذکیر وتانیث﴿

بے جان اسماء میں نر اور مادہ کا کوئی فرق نہیں ہوتا۔ایک فرضی تعلق کی بنا پر اسے مونث یا مذکر قرار دیا جاتا ہے۔ذیل میں چند بنیادی اصول درج کئے جاتے ہیں؛

۱: تمام زبانوں کے نام مونث ہیں جیسے اُردو۔انگریزی۔عربی۔فارسی۔پشتو۔چینی۔

۲: تمام دھاتوں کے نام مذکر ہیں جیسے لوہا۔پیتل۔تابنا مگر چاندی۔قلعی۔کانسی مونث ہے۔

۳: دنوں اور مہینوں کے نام مذکر ہیں جیسے سوموار وغیرہ لیکن جمعرات مونث ہے۔

۴: تمام سیاروں اور ستاروں کے نام مذکر ہیں۔جیسے سورج۔چاند۔مریخ مگر زمین مونث ہے۔

۵: تمام جواہرات اور پتھروں کے نام مذکر ہیں جیسے ماربل۔سنگ مرمر۔نیلم۔زمرد وغیرہ۔

۶: تمام دریاوں کے نام مذکر ہیں۔جیسے ستلج۔جہلم۔کاویری۔لیکن گنگا اور جمنا مونث ہیں۔

۷: تمام شہروں کے نام مذکر ہیں جیسے سرینگر۔جموں۔کلکتہ۔دہلی مگر ''دلی'' مونث ہے۔

۸: تمام پہاڑوں اور خدا کے تمام نام مذکر ہیں۔جیسے ہمالہ۔قراقرم۔اللہ۔رب۔بھگوان۔

۹: درختوں کے نام مذکر ہیں۔جیسے دیودار۔سفیدہ۔کائل فر مگر نیم اور املی مونث ہیں۔

۱۰: تمام کتابوں کے نام مونث ہیں۔جیسے؛ انجیل۔رامائن۔گیتا وغیرہ۔مگر قرآن اور صدرا مذکر ہیں۔

۱۱: تمام نمازوں اور عبادتوں کے نام مونث ہیں۔مثلاً فجر۔ظہر۔عصر۔مغرب۔عشا۔پوجا۔نماز وغیرہ۔

۱۲: تمام سیال چیزوں کے نام مذکر ہیں۔جیسے دہی۔دودھ۔تیل۔پانی۔شربت۔مگر لسی اور سیاہی مونث ہے۔

۱۳: تمام پیشہ وروں کے نام خواہ ان کے نام کے آخر میں ''ی'' ہی کیوں نہ ہو مذکر ہیں۔مثلاً؛ درزی، تیلی۔

۱۴: مندرجہ ذیل لاحقوں (SUFFIX) والے الفاظ مذکر ہیں اب۔بان۔بند۔پن۔دان۔زار۔ساز۔کار مثلاً؛ تالاب۔تیزاب۔مہربان۔ساربان۔کمربند۔بچپن۔قلمدان۔گلزار۔جلدساز۔بدکار۔

۱۵: فارسی کے وہ الفاظ جن کے آخر میں ''گاہ'' کا لاحقہ ہوتا ہے۔مونث ہیں۔جیسے۔عیدگاہ۔درسگاہ وغیرہ۔

۱۶: اُردو، فارسی، عربی کے تمام حاصل مصدر جن کے آخر میں (ت۔ٹ۔س۔ش۔ن) میں سے کوئی حرف ہو وہ مونث ہوتے ہیں۔جیسے؛ کہاوت۔بناوٹ۔مٹھاس۔گزارش۔جلن۔

۱۷: اُردو کے تمام مصادر جن کے آخر میں ''نا'' ہے تنہا آئیں تو مذکر ہیں۔جیسے آنا۔جانا۔کرنا۔وغیرہ۔

۱۸: مندرجہ ذیل الفاظ کی تذکیر و تانیث جملوں کے نوعیت سے بیاں کی گئی ہے۔اور اس میں زیادہ تر وہ الفاظ لائے ہیں۔جو کشمیری زبان میں بھی استعمال کئے جاتے ہیں مگر ان میں بہت سارے الفاظ کشمیری زبان میں بطور مونث استعمال ہوتے ہیں جبکہ اردو میں اُن کو مذکر استعمال کیا جاتا ہے اسی طرح بہت سارے الفاظ کشمیری زبان میں بطور مذکر استعمال کئے جاتے ہیں مگر وہ اُردو زبان میں مونث استعمال کئے جاتے ہیں۔اسی لئے کشمیری طلبا کو اُردو کی تذکیر و تانیث میں عام طور پر غلطیاں ہوتی ہیں۔ان غلطیوں سے بچنے کے لئے یہ فہرست مرتب کی ہے۔

الفاظ	تذکیر و تانیث	جملے	الفاظ	تذکیر و تانیث	جملے
بہار	مونث	بہار آئی اور پُھول کھلے	عطر	مذکر	مجھے گلاب کا عطر پسند ہے۔
شمع	مونث	شمع جل رہی ہے	گھاس	مونث	یہاں لمبی گھاس اُگ آئی ہے۔
صُبح	مونث	اب صبح ہوگئی ہے	شربت	مذکر	تھوڑا سا شربت پی لو۔
مکھن	مذکر	برتن میں کِتنا مکھن ہے	لحاف	مذکر	اکبر کا لحاف بہت میلا ہے
لالٹین	مونث	یہ لالٹیں کس کی ہے۔	بکواس	مونث	اپنی بکواس اب بند کرو۔
تاریخ	مونث	آج کون سی تاریخ ہے۔	کھانڈ	مونث	تم ہمیں کتنی کھانڈ دے سکتے ہو۔
دیر	مونث	جلدی کرو بہت دیر ہوگئی ہے	اتوار	مذکر	آج سوموار ہے کل اتوار تھا
دُور	مونث	اتنی دور مت جاؤ	سائیکل	مونث	یہ میری سائیکل نہیں ہے۔
دیوار	مونث	یہ دیوار اب گر رہی ہے	قسمت	مونث	تمہاری قسمت اچھی نہیں ہے۔
صابن	مذکر	لائف بوائے اچھا صابن ہے	رجسٹر	مذکر	حاضری کا رجسٹر کہاں رکھا ہے۔
رومال	مذکر	یہ ریشمی رومال میرا ہے	چھت	مونث	اکبر کے مکان کی چھت خراب ہوگئی۔
عینک	مونث	تم نے میری عینک کہاں رکھی	قیمت	مونث	اس گلاس کی قیمت کیا ہے
میز	مونث	یہ میز تمہاری تو نہیں ہے	تعطیل	مونث	آج تعطیل ہوگئی
پنسل	مونث	میری پنسل کون لے گیا ہے	جنگ	مونث	انگریزوں اور افغانوں میں جنگ ہوئی۔

جِلد	مونث	اس کتاب کی جلد میلی ہوگئی ہے	جُراب	مونث	یہ کالی جراب میری ہے۔
کمر	مونث	میری کمر میں سخت درد ہے	دوا	مونث	کیا حکیم نے میری دوائی بھیجی ہے۔
شام	مونث	چلو اب شام ہوگئی	روح	مونث	اُس کے بدن سے روح نکل گئی۔
کام	مذکر	مجھے آج بہت زیادہ کام تھا	دستار	مونث	اسلم کی دستار سفید ہے۔
سلام	مذکر	اُس نے آتے ہی سلام کیا	پانی	مذکر	یہ زم زم کا پانی ہے۔
جھیل	مونث	ولر ایک بہت بڑی جھیل ہے	ڈاک	مونث	آج کی ڈاک آگئی ہے یا نہیں
اُردو	مونث	تمہاری اُردو ٹھیک نہیں ہے	ہوا	مونث	ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔
طبعیت	مونث	آپ کی طبعیت کیسی ہے	سیر	مونث	آؤ نشاط باغ کی سیر کریں۔
تار	مذکر	مجھے آج دہلی سے تار آیا ہے۔	شراب	مونث	آپ نے آج شراب پی لی ہے۔
رسید	مونث	رسید لکھ دی گئی ہے۔	عرض	مونث	میں نے عرض کی تھی کہ کل آنا
شلوار	مونث	تمہاری شلوار دھوبی لے گیا	وضو	مذکر	میں نے ابھی ابھی وضو کرلیا ہے۔
رخصت	مونث	مجھے ایک دن کی رخصت چاہے	بارش	مونث	کل زور کی بارش ہو رہی تھی۔
درخواست	مونث	احمد کی درخواست کہاں ہے	برف	مونث	کشمیر میں زیادہ برف ہوتی ہے۔
صحت	مونث	اکبر کی صحت اب اچھی ہے۔	چاند	مذکر	وہ دیکھو چاند نکل آیا ہے
دکان	مونث	آپ کی دُکان کہاں پر واقع ہے	کھیت	مذکر	یہ کھیت احمد کا ہے۔
جیب	مونث	چور کی جیب سے روپیہ نکل آیا	تنخواہ	مونث	آپ کی تنخواہ ماہوار کتنی ہے۔
پتلون	مونث	اسلم کی پتلوں کون لے گیا ہے۔	بات	مونث	ہمیشہ سچی اور میٹھی بات کہنا چاہے۔
ٹکٹ	مذکر	مجھے دہلی تک کا ٹکٹ دیجئے	نماز	مونث	میں نے ظہر کی نماز ادا کی۔
تکلیف	مونث	تمہیں آج بہت تکلیف پہنچی	فصل	مونث	اس سال شالی کی فصل اچھی ہے۔
دہی	مذکر	دو روپیہ کا دہی بازار سے لاؤ	چوٹ	مونث	اُس کے سر میں چوٹ لگ گئی ہے۔
پنیر	مذکر	میں نے بازار سے اچھا پنیر لایا	گیند	مونث	میری نئی گیند کہاں رکھی ہے۔
غذا	مونث	یہ غذا بیمار کے لئے تیار کی گئی	آب و ہوا	مونث	کشمیر کی آب و ہوا معتدل ہے۔
زعفران	مونث	کشمیر کی زعفران دنیا میں مشہور ہے	امانت	مونث	میری امانت کہاں رکھی۔
بخار	مذکر	اکبر کو بخار آگیا	فرق	مذکر	ان دونوں میں کیا فرق ہے۔

سلیٹ	مونث	تمہاری سلیٹ ٹوٹ گئی	موتی	مذکر	ہار کا ایک موتی ٹوٹ گیا۔
موسم	مذکر	خزان کا موسم بیت گیا	خطا	مونث	اس میں میری کونسی خطا ہے۔
تمنا	مونث	میری تمنا ہے کہ ہمارا ملک آزاد ہو	گھی	مذکر	آج کل گھی مہنگا ہے
کیچڑ	مذکر	اس گلی میں بڑا کیچڑ ہے۔	ہونٹ	مذکر	تمہارا ہونٹ موٹا ہے
عرض	مونث	میں نے عرض کی تھی	پسند	مونث	یہ مال میری پسند کا ہے
تسلی	مونث	اس نے بیمار کو تسلی دی	روپیہ	مذکر	سخی کے پاس ہمیشہ روپیہ رہتا ہے
حیا	مونث	حیاء خوبصورتی بناتی ہے	دنیا	مونث	آج کی دنیا بجلی سے بدل گئی ہے۔
درگاہ	مونث	حضرت بل کی درگاہ مشہور ہے۔	سزا	مونث	اکبر کو ناحق سزا دی گئی۔

﴿نعت﴾

نعت کے لغوی معنی مدح، ثنا اور تعریف و توصیف کے ہیں مگر مجازاً اُس نظم کو کہتے ہیں جس میں رُسول خدا حضرت محمد ﷺ کی مدح سرائی اور تعریف و توصیف بیاں کی جاتی ہے یعنی نعت وہ نظم ہے جس میں حضور ﷺ کی ذات صفات اور اخلاق کی تعریف کی جائے۔ موضوع کی وسعت کے پیش نظر کسی بھی ہیت میں لکھی جاسکتی ہے۔ نعت کے لئے اِک رنگ کا مضموں ہو تو سو ڈھنگ سے باندھوں۔ نعت لکھتے وقت ذیل کی باتیں کا خیال رکھا جائے:

ا:۔ حمد اور نعت کے درمیان حد فاصل ضرور ہو۔ غلو سے اجتناب ضروری ہے۔

ب:۔ نعت عشق رسولؐ میں ڈوب کر لکھی جائے۔

ج:۔ زبان پاکیزہ اور الفاظ شُستہ اور بلیغ ہوں اور الفاظ حضور کے مرتبے کے مطابق ہوں۔

د:۔ لہجے میں عقیدت اور محبت ہو۔ کوئی لفظ ایسا نہ ہو۔ جس سے بے ادبی ظاہر ہو۔

ہ:۔ نعت پُرسوز اور پُرتاثیر ہو۔

نعت گوئی کا باقاعدہ آغاز دور رسالت میں ہی ہوا۔ دربار نبویؐ کے شاعر حضرت حسان بن ثابتؓ نے حضورؐ کے رُوبرو بارہا نعتیہ اور مدحیہ اشعار پیش کر کے داد تحسیں حاصل کی عربی کے بعد فارسی زبان میں بھی نعت گوئی شروع ہوئی اور بڑے بڑے نعت گو شعراء پیدا ہوئے جن میں سعدیؔ، جامیؔ، گنجویؔ، اور امیر خسروؔ مشہور ہیں۔ اُردو میں نعت عربی اور فارسی سے آئی۔ اُردو کے اکثر شعراء نے نعتیں لکھی ہیں۔ جن میں میر تقی میرؔ، مولانا شبلیؔ، مولانا حالیؔ، ڈاکٹر اقبالؔ، احمد یار خانؔ اور رضا بریلوی مقبول ہیں۔

﴿مختصر نوٹ رَسا جاودانی﴾

آپ کا اصلی نام عبدالقدوس ہے اور رسؔا جاودانی تخلص ہے آپ نے ۷ جولائی ۱۹۰۱ء کو بھدرواہ میں پیدا ہوئے بھدرواہ ایک خوبصورت مقام ہے اسے اپنے فطری حُسن کی بدولت چھُوٹا کشمیر کہتے ہیں۔ رسؔا جاودانی کے والد خواجہ منور دیو ایک تجارت پیشہ آدمی تھے۔ لیکن فارسی علم

وادب سے بہت لگاؤ رکھتے تھے۔رسا جاودانی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔اس کے بعد ریاست کے محکمہ تعلیم سے وابستہ ہو گئے اور برسوں تک اُردو اور فارسی پڑھاتے رہے۔آپ کا انتقال ۲۷ مئی ۱۹۷۹ء میں ہوا۔رسا جاودانی نے شاعری کا آغاز بچپن ہی سے شروع کیا تھا۔شاعری کے ساتھ ساتھ اُنھیں گانے بجانے سے بھی بہت دلچسپی تھی جس نے ان کی شعری ذوق کو پروان چڑھایا۔آپ نے اردو کے علاوہ کشمیری میں بھی شعر کہے ہیں۔آپ کے دو شعری مجموعے''لالہ صحرا''اور''ثریا'' شائع ہوئے ہیں۔کشمیری میں انہوں نے رُسول میر کو اپنا معنوی اُستاد قرار دیا ہے۔اُن کی کشمیری شاعری کو خاصی مقبولیت حاصل ہے۔ان کی شاعری میں اساتذہ کا رنگ جھلکتا ہے۔وہ بُنیادی طور پر روایت پسند شاعر ہیں۔لیکن ان کی غزلوں اور نظموں میں کہیں کہیں جدت اور لطافت کا بھی احساس ہوتا ہے حُسن وعشق ان کی غزلوں کا محبوب ترین موضوع ہے تاہم انہوں نے انسانی زندگی کے دوسرے پہلوؤں اور خاص طور پر مناظر قدرت کی عکاسی بھی کی ہے۔

﴿نعت﴾

بند نمبر ۱: نبی نوع انسان کا غم خوار۔۔۔۔۔۔۔بس تیری ہی جستجو تھی۔

تفہیم الفاظ: نبی نوع۔بنی آدم۔انسانی برادری+ غم خوار۔ہمدرد۔سہارا۔دکھ درد کا شریک+ تخلیق۔پیدا کرنا۔بنانا+ عالم۔جہان۔دنیا زمانہ+ شہکار۔بڑا کام۔سب سے اعلیٰ۔انمول+ نبی۔خبر پہنچانے والا۔رُسول۔پیغمبر+ سرتاج۔آقا۔مالک۔+ سردار۔سرغنہ۔افسر۔حاکم+ خوش اندام۔موزوں۔دلچسپ۔خوش منظر+ خوش اطوار۔اچھے سلیقہ والا۔خوش سیرت+ آرزو۔حسرت۔تمنا۔خواہش+ نگاہ۔نظر۔آنکھ۔دید+ جستجو۔تلاش۔ڈھونڈنا۔

تشریح:۔رسا جاودانی حضرت محمد ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب حُضورؐ دنیا میں تشریف لائے تو انسان کے ساتھ ساتھ انسانیت کا بھی بول بالا ہوا۔بنی نوع انسان کو ایک غم خوار پیغمبر ملا۔جس کے لئے سارے جہاں کو بنایا گیا تھا۔اور جو خالق ومخلوق کے درمیان صحیح رابطہ قائم کرنے کا ذریعہ بنا۔آپ تمام انبیاء کے سردار ہیں۔اور آپ کے حُسن مبارک کا کیا کہیئے جیسے پھولوں کا جسم مبارک ہے کہ خوشبو آرہی ہے آپ کے اخلاق اور اسوۂ حُسنہ سب سے بہتر، حسن سلوک اور علم میں سب سے اعلیٰ اور ہر قسم کے اخلاقی عیوب سے سب سے زیادہ منزہ و پاک تھے۔آپ آئے ہمیں آپؐ کے آنے کی تمنا تھی اور ہماری آنکھوں کو جس تصویر کی تلاش تھی وہ آپؐ ہیں۔

بند نمبر ۲: تو اے ابر رحمت جو دنیا میں آیا۔۔۔۔۔۔۔۔زمین فوق رکھتی ہے عرش بریں پر

تفہیم الفاظ:۔ابر۔گھٹا۔بادل۔میگھ+ رحمت۔ مہربانی۔کرم۔بارش+ شرف۔بزرگی۔عزت۔خوبی+ آدم۔نسل انسانی کا سب سے پہلا انسان+ آدمیت۔انسانیت۔اچھی خصلتیں+ سرو۔ایک مشہور درخت کا نام۔اُونچا اور سیدھا درخت+ قامت۔قد۔ڈیل۔جسم+ سایہ۔چھاؤں۔پرچھائیں۔پرتو+ قدم۔پانو۔فاصلہ+ فوق۔بلند۔برتری۔اُوپر+ عرش بریں۔بڑا عرش۔

تشریح: رسا جاودانی حضور اکرم ﷺ کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے آپ کو رحمت العالمینؐ کے منصب جلیل پر فائز فرما کر مخلوق کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اس دنیا میں بھیجا گیا۔اور آپ کے آنے سے آدم اور آدمیت نے شرف حاصل کیا۔آپؐ وہ سرو ہیں۔جس کا

سایہ ہی نہیں ہے یعنی عام انسانوں کے برعکس آپؐ کے جسم مبارک کا سایہ ہی نہیں ہے گویا کہ آفتاب کی روشنی اور دھوپ میں آپؐ کا کوئی عکس زمین پر نظر نہیں آتا ہے مگر سارے جہاں پر رحمت بن کر چھا گئے۔ آپؐ نے جب زمین پر اپنے مبارک قدم رکھے تب سے زمین کا مرتبہ بڑھا اور وہ عرش بریں سے بھی اونچی شان والی بن گئی۔

بند نمبر۳: پیامِ آشتی کا ہے قرآن تیرا۔۔۔۔۔۔۔۔ وہی غیر مسلم پہ تیری نظر ہے۔

تفہیم الفاظ: پیام۔ اپنی کوئی بات کسی تک پہنچانا۔ نسبت + آشتی۔ صلاح۔ نرمی۔ ملاپ۔ امن + قرآن۔ لغوی معنی پڑھنا۔ اصطلاحی معنی کلام اللہ + فرماں۔ حکم۔ پروانہ۔ بادشاہی حکم + کرم۔ کام۔ فعل۔ نصیب + جاگزین ہونا۔ جگہ بنانا۔ کسی جگہ ٹھہرنا + یکسان۔ برابر۔ ایک سا + دھرتی۔ دنیا۔ زمین۔ جہان + کندھے۔ شانہ۔ کاندھا + احسان۔ اچھا سلوک۔ کسی کے ساتھ بھلائی کرنا + حال۔ موجودہ زمانہ۔ کیفیت۔ اسلوب + مسلمان۔ مذہب اسلام کا پیرو۔ مسلم + شفقت۔ رحم۔ مہربانی۔ غم خواری + غیر مسلم۔ کافر۔ خدا کا نہ ماننے والا۔ جو مسمان نہ ہو + نظر۔ نگاہ۔ بصارت۔ دیکھنا۔

تشریح: رسا جاودانی حضرت محمدﷺ کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ غار حرا میں رُب نے آپ کو ایک پیغام سُنایا جس کو لے کر آپ اپنی قوم میں آئے اور اس کی آواز پورے مکے میں تیزی کے ساتھ پھیل گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ آواز سارے عرب میں پھیل گئی اور یہ آواز قرآن شریف کی صورت میں نمودار ہوئی یعنی خالق کائنات نے آپؐ کے ذریعہ انسانیت کی خیر وفلاح اور نجات کے لئے ایک ناقابل ترمیم اور محفوظ دستور العمل اور ضابطِ حیات عطا کیا۔ عرب جہاں پر لوٹ مار، خانہ جنگی اور غارت گری کا بازار گرم تھا۔ وہاں سکھ چین اور شانتی کا پیام لیکر قرآن شریف آیا۔ آپؐ کی مہربانی اور احسان ہر ایک کے لئے یکسان ہے۔ آپ نے تمام مخلوقات کو اللہ کا کنبہ قرار دے کر اونچ نیچ، کمتری و برتری اور حاکمیت ومحکومیت کے فرق وامتیاز کی جڑیں کاٹ دیں ہر ایک کے لئے آپؐ باعث رحمت بنے۔ تمام انسانوں کو نور ہدایت سے روشن کر کے گمراہی کے اندھیروں سے ساری دنیا کو نجات دلا دی۔ آپؐ جو شفقت اور محبت مسلمانوں کے ساتھ رکھتے ہیں وہی شفقت غیر مسلم کے ساتھ بھی رکھتے ہیں۔ ایک طرف آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی عزت اور جبروت کو دنیا میں قائم کیا اور دوسری طرف مساوات اور وحدت نسل انسانی کو بھی کمال درجے پر پہنچا دیا۔

بند نمبر۴: یہ کردار تیرا نہ کیوں دل کو بھائے۔۔۔۔۔۔۔۔ جچی آنکھ میں شانِ لولاک تیری

تفہیم الفاظ: کردار۔ طرز۔ طور طریقہ۔ خصلت + بھائے۔ اچھا لگے۔ دل کو بھلا معلوم ہونا۔ خوش کر لے + بسے۔ آباد ہوے۔ ٹھہرے + فن۔ ہنر۔ جوہر۔ دست کاری + سمائے۔ گنجائش پائی۔ گھر کیا۔ بسنا + راہ۔ راستہ۔ آشنائی۔ موقعہ + کانٹے۔ خار۔ ہک۔ ترازو + شفقت۔ مہربانی۔ رحم۔ غم خواری + سائے۔ پرچھائیں۔ چھاؤں۔ پَرتو + کدورت۔ گدلا پن۔ دل کا غبار۔ ملال + ہستی۔ وجود۔ زندگی۔ دنیا + پاک۔ صاف۔ ظاہر۔ بے گناہ + جچی۔ ٹھیک۔ درست۔ پسند + شان۔ عظمت۔ مرتبہ۔ عزت + لولاک۔ ایک حدیث قدسی کی طرف اشارہ ہے۔

تشریح: اس بند میں رسا جاودانی حضرت محمدﷺ کی مدح سرائی کرتے ہوئے۔فرماتے ہیں کہ آپؐ کا کردار ہر دل کو پسند ہے اس طرح آپؐ ہر دل اور من میں بسے ہوئے ہیں کیوں کہ آپ ہر ایک کے لئے باعث رحمت ہے آپؐ کا دل ہر کسی کے لئے کھُلا تھا آپؐ بے کسوں اور غریبوں کے حامی اور مددگار، مفلسوں اور محتاجوں کے خبر گیر، یتیموں کے محافظ اور غلاموں کے سب سے بڑے مددگار اور باعث رحمت وبرکت ہیں۔ آپؐ کی راہ میں جن لوگوں نے مشکلات پیدا کئے اور جنہوں نے کانٹے بچھائے۔اُن پر آپؐ نے شفقت فرمائی۔آپ حُسن واخلاق کے پیکر تھے آپؐ نے خطا کاروں کی خطائیں معاف کیں درگرز کرنے کی صفت کا اظہار آپؐ میں اس درجہ کمال پر ہوا کہ دنیا میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی ہے۔جو شخص آپؐ کے ساتھ قطعہ رحمی کا معاملہ کرتا تھا۔اس کے ساتھ آپؐ صلہ رحمی کا معاملہ کرتے ہیں اس لئے آپؐ کا لقب رؤف ورحیم بھی ہے۔آپ کی ذات گرامی ہمیشہ بدے اور رنجش سے پاک رہی اور آپؐ کی شان ہر آنکھ میں رچ بس گئی ہے۔

سوال نمبر۱: حضرت محمدﷺ کیا پیغام لے کر آئے؟

جواب: حضرت عیسیٰ کو پیغام پہنچائیے ابھی چھ سو برس گزرنے نہ پائے تھے کہ اللہ نے عالم انسانیت پر اپنا کرم فرمایا اور محمدﷺ کو اس عظیم مقصد کے لئے مامور کیا کہ اسے کفر و جہالت کے گہرے گڑھوں میں گر پڑنے سے بچاے اور ساتھ ہی ایک ایسا آئین زندگی پیش کرے جو ہمیشہ کے لئے باعث نجات بن سکے۔ضلالت اور ظلمت کے دوَر میں جناب احمد مجتبیٰؐ یہ پیغام لے کر آئے جس سے انسانی معاشرہ کی تعمیر نو کر سکیں مجبوروں کو آزاد کرائیں۔انسان کو اپنا صحیح مقام بتلائیں۔عدل وانصاف کا بول بالا کرائیں۔مرد اور عورت کو ان کے اپنے اپنے جائز حقوق دلوادیں۔شرک وشر کا خاتمہ کریں۔دنیا کے نظام مستقبل کی بناء خدائے تعالےٰ کی وحدانیت پر استوار کریں غرض دنیا کو امن وسلامتی کا گہوارہ بنانے کے علاوہ انسان کے لئے یہ پیغام تھا کہ وہ اپنی برادری میں اعمال صالح کا نمونہ اور نظیر بنکر اَمن وآشتی سے رہے۔

سوال نمبر۲:۔شاعر نے یہ کیوں کہا ہے؟

تو وہ سرو قامت، نہیں جس کا سایہ　　　　مگر بن کے رحمت تُو عالم پر چھایا

جواب:۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بادی النظر میں گوشت واستخوان اور پوست واعصاب سے بنی نظر آتی تھی۔انسان تھے،بشر تھے،انسانوں کی طرح کھاتے پیتے تھے۔انسانوں کی طرح رہتے بستے اور انسانوں ہی کی طرح چلتے پھرتے تھے۔ لیکن تھے پیکر نور، سراپائے ضیا، مجسمہ جمال ایک خاکی غلاف تھا۔جو بشریت کے نام سے اس نور یزدانی پر پڑا ہوا تھا۔ اہل نظر کالبدِ خاکی میں اس ضیا ونور کی تجلیاں کا برابر مشاہدہ کر رہے تھے۔اور عوام بھی دیکھتے تھے۔کہ عام انسانوں کے برعکس جسم مبارک کا سایہ نہ تھا۔ آفتاب کی روشنی اور دھوپ میں آپ کا کوئی عکس زمیں پر نمایاں نظر نہ آتا تھا اور نہ ہو سکتا تھا اس لئے کہ نور کا سایہ ہو ہی نہیں سکتا وہ تو خود ایک لطیف شے ہے۔اور یہی وہ نور تھا جس کی برکت سے حضرت آدم کو سرفرازی اور سر بلندی نصیب ہوئی اور یہی نور سایہ رحمت بنکر ہر ایک مخلوق پر چھا گیا ہے۔

سوال نمبر۳:۔اس بند کی تشریح کیجئے؟

پیام آشتی کا ہے قران تیرا　　　　ہوا جاگزین دل میں فرمان تیرا
کرم ہر کسی پر ہے یکسان تیرا　　　　ہے دھرتی کے کندھوں پہ احسان تیرا
جو شفقت مسلمان کے حال پر ہے　　　　وہی غیر مسلم پر تیری نظر ہے

جواب:۔ رسا جاودانی نعت کے اس بند میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں فرماتے ہیں۔آپ پر جو قرآن نازل ہوا ہے۔وہ ایک عطیہ ہے جسے رب العالمین نے دستورالعمل کی صورت میں انسان کو عنایت فرمایا۔اسی دستور کو اپنا کر انسان دنیا کو مسکنِ راحت اور دل کو محفل اطمینان بنا سکتا ہے اس طرح محمد عربیؐ نے انسان کو خدا کا پیغام دیا کہ سب انسان بھائی بھائی ہیں۔رنگ یا نسل کی بنا پر کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں خدا کے سامنے ان کا درجہ یکسان ہے اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو نوع انسانی کا محسن اور رحمتہ للعالمیں بنا کر بھیجا۔آپ کی مہربانی اور احسان ہر ایک کے لئے یکسان ہے اس میں کسی قسم کی کوئی قید نہیں ہے۔اور آپ کے احسان ساری انسانیت پر ہے۔آپ نے دنیا کو جہالت سے نکال کر نور اور ہدایت کی راہ پر لایا۔آپ جو محبت اور شفقت مسلمانوں کے ساتھ رکھتے ہیں وہی شفقت اور محبت غیر مسلم کے ساتھ بھی کرتے ہیں۔

سوال نمبر۴:۔مختصر نوٹ لکھئے؟　　ا:۔　نعت　　ب:۔　مسدس

جواب:۔ ا　نعت پر نوٹ سبق کے شروع میں صفحہ نمبر ۹۷ پر دیا گیا ہے۔

ب　مسدس پر نوٹ:۔

مسدس کا لغوی معنی شش پہلو۔ چھ کونیا یا چھ ضلعوں والی شکل ہے۔یہ اصاف سخن کی وہ صنف ہے جس میں ہر بند چھ مصرعے کا ہوتا ہے۔یہ ہیت اضاف شاعری میں بیانیہ شاعری کے لئے موزوں تر طرز اظہار کے لئے خاص طور پر برتی جاتی ہے۔یہ وہ نظم ہے جس کا ہر بند چھ مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے۔پہلا دوسرا اور چوتھا ہم قافیہ اور ہم ردیف یا صرف ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ پانچواں اور چھٹا مصرعہ الگ ہم قافیہ

وہم ردیف ہوتے ہیں۔ بندوں کی تعداد پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ حالؔی کی مدوجزر اسلام اقبال کی نظم شکوہ اور جواب شکوہ اسی ہیت کی نظمیں ہیں۔

سوال نمبر ۵:۔رساؔ جاودانی کی اس نعت کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیئے؟

جواب:۔ رساؔ جاودانی نے اس نعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سیرت وعظمت کے چند پہلو بیان کئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ جب دنیا میں تشریف لائے تو انسان اور انسانیت کا بول بالا ہوا۔ اور انسان کو ایک غم خوار پیغمبر ملا۔ جس کے لئے سارے جہاں کو بنایا گیا ہے۔ حضرت محمدؐ تمام انبیاء کے سردار ہیں اور آپ کے حُسن مبارک کا کیا کہیئے جیسے پھولوں کا جسم مبارک ہے کہ خوشبو آرہی ہے بلکہ آپ کے اخلاق اور اسوۂ حسنہ سے بھی خوشبو آرہی ہے۔ انسان کو ایک ایسے رہبر اور رہنما کی ضرورت تھی جو اُسے پستی سے نکال سکے اور وہ آپ ہیں۔ آپ کے آنے کی ہمیں بھی تمنا تھی اور نظروں کو جس تصویر کی تلاش تھی۔ وہ آپ ہیں۔ آپ دنیا کے لئے سایہ رحمت بن کر آئے اور آپ کے آنے سے آدم اور آدمیت نے بزرگی حاصل کی۔ آپ وہ سرو ہیں جس کا سایہ ہی نہیں ہے۔ یعنی حضور کے جسم مبارک کی پرچھائی ہی نہیں تھی لیکن جب آپ آئے تو سارے جہاں پر رحمت بنکر چھا گئے۔ جب سے آپ نے زمین پر اپنے قدم مبارک رکھے تب سے زمین عرش بریں سے اُونچی شان والی بن گئی آپ پر جو قرآن نازل ہوا وہ امن وآشتی کا پیام ہے۔ وہ ایک عطیہ ہے جسے رب العالمیں نے دستور العمل کی صورت میں انسان کو عنایت فرمایا۔ آپ کی مہربانی اور احسان ہر ایک کے لئے یکساں ہے۔ اس میں کسی قسم کی کوئی قید نہیں ہے اور نہ کوئی فرق ہے۔ اور آپ کے احسان ساری دنیا پر ہیں آپ نے دنیا کو جہالت سے نکال کر نور ہدایت کی طرف لایا۔ آپ جو شفقت اور محبت مسلمان کے ساتھ کرتے ہیں۔ وہی شفقت اور محبت غیر مسلم کے ساتھ بھی کرتے ہیں۔ آپ کا ایسا کردار ہر دل کو پسند ہے لہذا آپ ہر دل اور ہر من میں بسے ہوئے ہیں۔ آپ کی راہ میں جن لوگوں نے مشکلات پیدا کئے۔ جنہوں نے آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے اُن پر آپؐ نے شفقت فرمائی آپ کی ذات گرامی ہمیشہ بدلے اور رنجش سے پاک رہی اور آپ کی شانِ لولاک ہر آنکھ میں رچ بس گئی ہے۔

''مرثیہ پر نوٹ''

یہ ایک اہم صنف سخن ہے۔ مرثیہ اُس نظم کو کہا جاتا ہے۔ جس میں کسی مرحوم دوست یا عزیز کے صفات غم انگیز پیرایہ میں بیاں کئے جائیں اور سننے والے پر اس کا گہرا اثر ہو۔ اور دونوں پر غم والم کے جذبات طاری ہوں۔ اُردو میں مرثیہ نگاری فارسی سے آئی۔ مگر اس صنف نے اُردو میں فارسی سے زیادہ ترقی کی۔ عموماً اُردو مراثی میں حضرت امام حسینؓ اور دیگر شہداء کربلا کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے۔ مرثیہ میں قصیدے کی طرح جھوٹے اور مبالغہ آمیز اشعار باندھنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ کیونکہ مرثیہ لکھتے وقت شاعر کو کسی انعام کے ملنے کی توقع نہیں ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اُردو مرثیہ کو شروع سے ہی کافی ترقی ہوئی اُردو مرثیہ کے اجزاء حسب ذیل ہیں۔ ا:۔ چہرہ ب:۔ سراپا ج: رخصت د:۔ آمد ہ: رجز و:۔ جنگ ز:۔ شہادت ح:۔ بین + ابتداء میں دکن کے شعراء نے بہت مرثیے لکھے ہیں۔ بعد میں شمالی ہندوستان کے شعراء نے بھی کچھ توجہ اس صنف کی طرف کی۔ میرؔ اور سوؔدا کے بعد یہ صنف زیادہ اہمیت اختیار کرگئی۔ لیکن اس صنف کو لکھنوی شعراء نے ترقی دی۔ میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ نے اس صنف کو معراج تک پہنچایا۔ ان شعراء کے مراثی کا کوئی جواب نہیں۔ ان کے

شاگردوں نے بھی اس صنف کو ترقی دی۔اُردو میں مرثیہ کی صنف اب ایک خاص قسم کی رزمیہ اور اخلاقی نظم کا درجہ حاصل کر چکی ہے۔ اُردو میں غالبؔ کا مرثیہ عارف۔حالیؔ کا مرثیہ غالبؔ۔شبلی کا مرثیہ اسحاق اور مرثیہ گوکھلے اقبالؔ کا مرثیہ داغؔ بہت مشہور اور بلند پایہ کے مراثی ہیں۔

سوال:۔مرزا دبیرؔ کی سوانح حیات اورادبی کارنامے پر مختصر نوٹ لکھئے؟

جواب:۔مرزا سلامت علی نام اور دبیرؔ تخلص تھا۔ مرزا غلام حسین کے بیٹے تھے۔۱۸۰۳ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ مگر باپ کے ساتھ بچپن ہی میں لکھنو چلے آئے اور یہاں آ کر تحصیل علم میں مصروف ہوگئے یہاں تک کہ علمی استعداد فاضلانہ حد تک پہنچ گئی۔شعروسخن کا چسکا روز ازل سے لے کر آئے تھے۔اور میر مظفر حسین ضمیرؔ کے شاگرد ہوگئے۔یہاں تک نام پیدا کیا کہ اُستاد سے زیادہ شہرت ہوگئی۔مرثیہ کو اپنا خاص فن بنایا۔اپنے استاد کی بنائی ہوئی عمارت کو قائم رکھا اور پھر اُسے بہت بلند اور روشن کر کے دکھایا مرزا دبیرؔ نہایت پرُ گو تھے۔کم از کم تین ہزار مرثیے کہے ہوں گے۔ رباعی' سلام اور نوحے ان کے علاوہ ہیں۔مرزؔا صاحب کے کلام کی خصوصیت میں شوکت الفاظ' جدید تشبیہات استعارے اور زور کلام داخل ہیں۔اُن کا کلام علمی زبان اور مضموں آفرینی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔عیوب سے مبرا ہے اور فن عروض کے پرستاروں کا بہتریں دلچسپ چمنستان ہے۔کیونکہ صنائع اور بدائع سے مرصع ہے۔مرزا دبیر کے یہاں آپ کو اُس زمانہ کے مذاق کے مطابق رعایت لفظی ومبالغہ بھی پرُزور طریقہ پر ملتا رہے گا۔ مرزا صاحب نے محرم ۱۸۷۵ء میں اس دنیا سے کوچ کیا اور اپنے ہی گھر میں دفن کئے گئے۔

مرثیہ ''حضرت علی اصغر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے پانی مانگنا''

بند نمبر۱:۔ ہر اک قدم پہ سوچتے تھے سبط مصطفےٰ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جائے گی اور آبرو مری

تفہیم الفاظ:۔سبط مصطفےٰ =حضرت محمد کی بیٹی کا بیٹا حضرت امام حُسین + قدم = پانو- فاصلہ- دونوں پاؤں +فوج عمر= عمر بن سعد کا لشکر + نے =نہیں-کلمہ نفی- بانسری + التجا= منت سماجت-خوشامد+مَنت کرنا=کسی مراد کے واسطے مانی ہوئی کوئی بات-نیت-عہد+ بھلا= اچھا-خوب-ٹھیک+ عدو= دشمن-مخالف+ جان جانا= مرجانا- واقف ہوجانا+ پیاسا= جسے پیاس لگی ہو- پانی پینے کی خواہش+ آبرو= ناموس -عصمت-لاج+ گر= اگر کا مخفف-حرف شرط+ واسطے= لئے+

تشریح:۔حضرت علی اصغرؓ حضرت علی کے پوتے ہیں۔کربلا کے میدان میں یزیدی فوج نے دریائے فرات پر پہرا بٹھا کر حضرت امام حُسین اور ان کے اعزاء واقرباء کے لئے پانی بند کرادیا۔کئی دن اسی طرح گذر جاتے ہیں حضرت امام حسینؓ اپنے چھ ماہ عمر کے بیٹے علی اصغرؓ کے لئے یزیدی فوج سے پانی مانگتے ہیں لیکن ظالم یزیدی فوج پانی نہیں دیتی۔یہاں اس بند میں مرزا دبیرؔ فرماتے ہیں کہ جب حضرت امام حسین علی اصغر کو گود میں اُٹھا کر یزیدی فوج سے پانی مانگنے کے لئے نکلتے ہیں اور فوج کے قریب پہنچ جاتے ہیں تو سوچتے ہیں کہ میں عمر بن سعد کے لشکر میں علی اصغر کو لے جارہا ہوں۔میں اُن سے کیا کہوں گا کیونکہ نہ مجھے مانگنا ہی آتا ہے اور نہ التجا ہی کرنا آتا ہے اور اگر میں پانی مانگنے کے لئے اُن سے استدعا بھی کرلونگا تو وہ کبھی پانی نہیں دیں گے اگر میں پانی مانگنے کے لئے آواز بھی دوں گا تو وہ میری آواز کو ان سنی کردینگے

کیونکہ وہ میرے دشمن ہے۔ میرے پیارے لخت جگر جو کہ پیاسا ہے اُس کی تو جان جائے گی اور ساتھ ہی میری عزت بھی جائے گی۔

بند نمبر۲:۔ پہنچے قریب فوج تو گھبرا کے رہ گئے۔۔۔۔۔۔۔اصغر تمہارے پاس غرض لے کے آئے ہیں۔

تفہیم الفاظ:۔ قریب = نزدیک - پاس - لگ بھگ + سوال = درخواست - کوئی بات پوچھنا - بھیک مانگنا + غیرت = رشک - شرم - حیا - ندامت + رنگ فق ہونا = رنگ اُڑ جانا - چہرے کا رنگ زرد ہونا + رہ جانا = ٹھہر جانا - رُک جانا - کسی کام میں کمی کرنا + تھرا کے = کانپ کر - ڈر کر - لرز کر + چادر = بڑا اور چوڑا کپڑا + پسر = بیٹا - لڑکا + سرکانا = ہٹانا - ایک طرف کرنا - الگ کرنا + آنکھیں جھکانا = بہت تعظیم وتکریم کرنا - بہت عاجزی سے کسی کے استقبال کا شوق کو ظاہر کرنا + غرض سے = مقصد سے - ضرورت + علی اصغرؑ = حضرت حُسین کا چھوٹا بیٹا۔

تشریح:۔ مرزا دبیرؔ اس بند میں فرماتے ہیں کہ جب حضرت امام حُسین فوج کے نزدیک پہنچ گئے تو وہ جھجک گئے۔ سوچا ان سے پانی کا سوال کروں یعنی ان سے بیٹے کے لئے پانی مانگوں۔ لیکن من ہی من میں شرم محسوس ہوئی۔ ایسی حالت میں امام حُسین کے چہرے کا رنگ ہی اُتر گیا اور شرم کے مارے تھر تھر کانپنے لگے۔ اور اپنے بیٹے کے چہرے سے انہوں نے چادر اُٹھائی۔ یہ سوچ کر کہ یزیدی فوج خود اُنکھوں سے اس معصوم بچے کی حالت کو دیکھیں کہ پانی کے لئے کس طرح ترس رہا ہے اور خود حضرت حُسین نے نظریں نیچے کر کے فرمایا کیونکہ شرم کی وجہ سے اُنھیں اپنی غیرت پانی مانگنے کی اجارت نہیں دیتی تھی۔ میں اپنے لئے پانی نہیں مانگ رہا ہوں بلکہ مجھے یہ معصوم بیٹا آپ کے پاس لایا۔ یعنی اس کی پیاس نے مجھے آپ کے پاس لایا ہے۔ یعنی یہ معصوم پیاس کی وجہ سے تڑپ رہا ہے مہربانی کر کے اسے تھوڑا سا پانی پلاؤ۔

بند نمبر۳:۔ گر میں بقول عمرو شمر ہوں گناہ گار۔۔۔۔۔۔۔۔۔مظلوم خود ہے اور یہ مظلوم زادہ ہے۔

تفہیم الفاظ:۔ گر = اگر کا مخفف - حرف شرط + بقول = بات کے مطابق - کہنے کے مطابق + گناہ گار = پاپی - دوشی - خطاوار + شش ماہ = چھ مہینے + نصف سال + بے زبان = کم بولنے والا - کم سخن - خاموش + نبی زادہ = پیغمبر کا بیٹا - رسول کا فرزند + شیر خوار = دودھ پیتا بچہ + ہفتم = ساتواں - سات (۷) بے قرار = بے کل - پریشان - مضطرب + سِن = سال - عمر + صدمہ = ٹھیس - چوٹ - نقصان + مظلوم = جس پر ظلم کیا گیا ہو +

تشریح:۔ مرزا دبیرؔ اس بند میں فرماتے ہیں کہ حضرت حُسین فرمانے لگے کہ اگر میں عمرو بن سعد اور شمر کی نظر میں گنہگار ہوں۔ مگر میرا یہ معصوم چھ ماہ کا بچہ تو کسی کے سامنے بھی قصوروار نہیں ہے۔ یہ تو صرف چھ ماہ کا شیر خوار نبی زادہ ہے۔ یہ بھی ہماری طرح تین دن سے پیاسا ہے اور پانی کی ایک بوند کے لئے ترس رہا ہے۔ اس کی عمر کم ہے اور اسی وجہ سے اس پر پیاس کا زیادہ غلبہ بھی ہے کیونکہ شیر خوار بچوں کی غذا دُودھ اور پانی کے بغیر اور کچھ نہیں ہوتی ان کو پانی کی زیادہ ضرورت ہے میں خود بھی مظلوم ہوں اور یہ مظلوم کا مظلوم بیٹا ہے۔

بند نمبر۴:۔ یہ کون بے زبان ہے تمہیں کچھ خیال ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔دے دو کہ اس میں نام وری ہے ثواب ہے۔

تفہیم الفاظ:۔ شریف - نجیب - ایسا موتی جس میں بال نظر آتے ہیں + بانو = بی بی - عزت دار خاتوں - حضرت امام حُسین کی زوجہ محترم + بے کس = محتاج - بے یارو مددگار + لال = سرخ رنگ + قیمتی پتھر - لاڈلا - بیٹا + ذوالجلال = صاحب جلال + دبدبہ والا - خدا کا نام +

یثرب = مدینہ منورہ کا قدیم نام+ شاہ زادہ = بادشاہ کا بیٹا- پیارا بیٹا+ پوتا = اولاد- بیٹے کا بیٹا+ طلب گار= خواہش مند+ ثواب = بدلہ- نیک کام کی جذا۔

تشریح:۔ اس بند میں شاعر کہتا ہے کہ حضرت امام حُسین فرماتے ہیں کہ اے یزیدی فوجیو! کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ بے زبان معصوم کون ہے۔ یہ درنجف یعنی نجف کا موتی اور بانوئے بے کس کا بیٹا ہے۔ یعنی یہ پیغمبرزادہ ہے۔ اور حضرت فاطمہؓ کی اولادوں میں سے ہے۔ مزید فرماتے ہیں اے فوجیو چلو اس معصوم بچے کے لئے ہمیں پانی دو۔ تمہیں رُب ذوالجلال کی قسم ہے۔ یہ مدینہ منورہ کے شاہزادے کا پہلا سوال ہے۔ یعنی میں مدینہ کا شہزادہ آپ سے پہلا سوال یہی کرتا ہوں کہ اس معصوم شیرخوار بچے کے لئے پانی کے چند قطرے عطا کیجئے۔ تا کہ یہ اپنی پیاس بجھا سکے۔ یہ حضرت علی کا پوتا ہے۔ جو آپ لوگوں سے پانی مانگ رہا ہے۔ اس بچے کا نہیں کم از کم حضرت علی کا لحاظ رکھو اگر آپ پانی دو گے تو اس سے آپ کی شہرت ہوگی اور ایسا کرنا باعث ثواب بھی ہیں۔

بند نمبر۵:۔ پھر ہونٹ بے زبان کے چومے جھکا کے سر۔۔۔۔۔۔ تھرا کے آسمان کو دیکھا حُسین نے

تفہیم الفاظ:۔ بے زبان = خاموش- کم سخن- کم بولنے والا+ پدر = باپ- والد= جگر= دل- جان- کلیجہ+ سوکھی = خشک- روکھا- پھیکا+ لبوں پر- ہونٹوں پر+ نورعین = بیٹا- آنکھوں کا نور۔

تشریح:۔ مرزا دبیرؔ فرماتے ہیں کہ پھر حضرت امام حُسین نے اپنے سِر مبارک کو جھکا کر اس معصوم بچے کے ہونٹوں کو چوما اور اپنی زبان سے اُن کو تر کیا۔ اور روتے روتے اپنے بیٹے سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ اے میرے لخت جگر جو کچھ کہنا مناسب تھا۔ آپ کے باپ یعنی امام حُسین نے یزیدی فوج سے کہا۔ اب کوئی بات بغیر کہے نہ رہی۔ یعنی میں نے اُنھیں سب کہا۔ مرزا دبیرؔ مزید فرماتے ہیں کہ پھر جب نور چشم حضرت علی اصغرؓ نے اپنے ہونٹوں پر اپنی زبان پھیر لی تو کانپتے ہوئے حضرت امام حسین نے آسمان کی طرف نظر کی۔ یعنی خدائے برتر سے عرض کی کہ گواہ رہو ہم نے صبر سے کام لیکر فرض ادا کیا۔

سوال نمبر۲:۔ حضرت امام حسین نے یزیدوں سے کیا سوال کیا؟

جواب:۔ حضرت امام حسین نے یزیدی فوج سے پہلا سوال یہی کیا کہ اے یزیدی فوجیو تمہیں خدا کی قسم ہے کہ اس معصوم بچے کے لیے تھوڑا سا پانی دو۔ یہ حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کا پوتا ہے اگر آپ پانی دو گے تو یہ آپ کی مشہوری اور باعث ثواب ہوگا۔

سوال نمبر۳:۔ اس نظم یعنی مرثیہ کا خلاصہ لکھئے؟

جواب:۔ حضرت علی اصغرؓ حضرت علی کے پوتے ہیں۔ کربلا کے میدان میں یزیدی فوج نے دریائے فرات پر پہرا بٹھا کر حضرت امام حُسینؓ اور ان کے اعزاء و اقرباء کے لئے پانی بند کرادیا۔ کئی دن اسی طرح گذر جاتے ہیں۔ حضرت امام حُسینؓ اپنے چھ ماہ کے بیٹے علی اصغرؓ کے لئے یزیدی فوج سے پانی مانگتے ہیں۔ لیکن ظالم یزیدی فوج اُنھیں پانی نہیں دیتی ہے۔ اور اس مرثیہ میں مرزا دبیرؔ کہتے ہیں کہ جب حضرت امام حسیں علی اصغر کو اُٹھا کر یزیدی فوج سے پانی مانگنے کے لئے نکلتے ہیں۔ اور فوج کے قریب پہنچ کر سوچتے ہیں۔ کہ میں ان سے کیا کہونگا مجھے تو مانگنا ہی نہیں آتا اور اگر میں اُن کی منت سماجت بھی کروں گا۔ مگر وہ کبھی مجھے پانی نہیں دینگے کیونکہ وہ مجھے اپنا دشمن سمجھتے ہیں وہ

میری آواز ہی نہیں سنیں گے۔اس طرح میرے پیارے لختِ جگر کی تو جان جائے گی اور ساتھ ہی میری عزت بھی جائے گی اسی لئے من ہی من میں شرم محسوس ہوئی اور اُن کے چہرے کا رنگ ہی اُڑ گیا اور تھر تھر کانپنے لگے پھر اپنے بیٹے کے چہرے سے چادر اُٹھائی اور نظریں نیچی کر کے فرمایا کہ میں اپنے لئے پانی نہیں مانگ رہا ہوں بلکہ مجھے یہ معصوم بچہ آپ کے پاس لایا ہے۔یعنی یہ پیاس کی وجہ سے تڑپ رہا ہے اسے تھوڑا سا پانی پلا دیجئے۔ یہ ہماری طرح تین دن سے پیاسا ہے کم عمر ہونے کی وجہ سے ان کو پیاس کا زیادہ غلبہ ہے آپ کی نظر میں میں آپ کا قصوروار ہوں مگر میرا یہ معصوم چھ ماہ کا بچہ تو کسی کے سامنے قصوروار نہیں ہے۔ یہ تو خود مظلوم ہے اور اس کا باپ بھی مظلوم ہے۔حضرت امام حُسین نے ان فوجیوں سے کہا کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ دُرِ نجف' بے کس بانو کا لال ہے یہ نبی زادہ ہے اور حضرت فاطمہؓ کی اولادوں میں سے ہے۔تمہیں خدا کی قسم ہے مدینے کے شہزادے کا یہ آپ سے پہلا سوال ہے کہ اس معصوم بچے کے لئے پانی دو۔ حضرت علی کا پوتا آپ سے پانی مانگ رہا۔اس سے آپ کی مشہوری اور شہرت ہوگی۔اور ایسا کرنا باعث ثواب بھی ہے آخر پر حضرت امام حُسینؓ نے اپنے سر مبارک کو جھکا کر اُس معصوم کے ہونٹوں کو بوسہ دیا تا کہ وہ تر ہوسکیں۔اور روتے روتے اپنے بیٹے سے کہا کہ اے میرے بیٹے آپ کے باپ کو جو کچھ کہنا تھا۔اس نے کہا اب کوئی بھی بات کہے بغیر نہ رہی۔ میں نے ساری حقیقت بیان کی اب تم بھی اپنی خشک زبان منہ سے نکال کر اُنھیں دکھا دو اور جب اس معصوم بچے علی اصغرؓ نے اپنی سوکھی زبان اپنے ہونٹوں پر پھیر دی تو تھر تھر کانپتے ہوئے حضرت امام حُسین نے آسمان کی طرف نظریں اُٹھا کر دیکھا۔

سوال نمبر۴:۔سیاق وسباق اور شاعر کا حوالہ دے کر اس بند کی وضاحت کیجئے۔

دُرِ نجف ہے بانوئے بے کس کا لال ہے — یہ کون بے زبان ہے تمہیں کچھ خیال ہے۔

یثرب کے شاہزادے کا پہلا سوال ہے — لو مان لو ہمیں قسم ذوالجلال ہے

دے دو کہ اس میں نام وری ہے ثواب ہے — پُوتا علیؓ کا تم سے طلب گار آب ہے

جواب:۔ یہ بند مرزا دبیرؔ کی لکھی ہوئی مرثیہ ''حضرت علی اصغرؓ کا پانی مانگنا'' سے لیا گیا ہے۔اس بند میں حضرت امام حُسین یزیدی فوج جو کہ نہر فرات پر پہرہ لگائے بیٹھی تھی سے پانی مانگنے کے بعد یزیدی فوج سے فرماتے ہیں۔کہ اے یزیدی فوجیو یہ معصوم نبی زادہ تین دن سے بھوکا اور پیاسا ہے کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ بے زبان کون ہے یہ درِ نجف بانوے بے کس کا لال ہے۔یعنی نبی زادہ ہے۔اور حضرت فاطمہ کی اولادوں میں سے ہے۔تمہیں خدا کی قسم ہے یہ مدینہ کے شہزادے کا پہلا سوال ہے کہ اس معصوم کے لئے پانی دو۔ یہ حضرت علی کا پوتا آپ سے پانی مانگ رہا ہے اگر آپ پانی دینگے تو آپ شہرت پاؤ گے اور ایسا کرنا باعث ثواب بھی ہے۔لیکن اُنھوں نے پانی نہیں دیا۔

سوال نمبر۵:۔گرامر:۔''صفت اور اُس کی قسمیں''

جواب:۔ صفت اور اُس کی قسموں کے نام صفحہ نمبر پر دیئے گئے ہیں تعریفیں درج ذیل ہیں۔

ا:۔صفت ذاتی (QUALITY) کسی چیز یا شخص کی اندرونی یا بیرونی حالت یا کیفیت کو ظاہر کرے جیسے ہلکا۔ٹھوس۔میٹھا۔ذہین وغیرہ اس کے تین درجے ہیں۔

I **تفصیل نفسی** (POSITIVE DEGREE) یعنی جب کسی شخص یا شے کی صفت بغیر کسی مقابلہ کے ظاہر ہو مثلاً رام اچھا کھلاڑی ہے۔ بشیر بڑا چالاک ہے۔

II **تفصیل بعض** (COMPARATIVE DEGREE) یعنی جب کسی شخص یا شے کی صفت کسی دوسرے کے مقابلہ میں کم یا زیادہ ہو مثلاً رام شیام سے اچھا کھلاڑی ہے۔ بشیر رام سے بہت بڑا چالاک ہے۔

III **تفصیل کُل** (SUPERLATIVE DEGREE) یعنی جب کسی شخص یا شئے کی صفت دوسرے کے مقابلے میں سب سے زیادہ ہو مثلاً رام سب سے اچھا کھلاڑی ہے۔ بشیر سب سے بڑا چالاک ہے۔

ب:۔صفت نسبتی:۔ کسی اسم کی کسی دوسری شئے سے لگاؤ یا نسبت ظاہر ہو جیسے ہندی روغن جوش۔ کشمیری شال۔ ایرانی قالین۔ عربی گھوڑا۔ فارسی قلم۔ یوسف گرین ویلی اور سنہ عیسوی وغیرہ۔

ج:۔صفت عددی (NUMERALS)۔ جس سے کسی اسم کی تعداد ظاہر ہو۔ جیسے ہزار ہا مزدور۔ ۱۸ برس۔ پانچواں حکمران۔ چاروں گوشے۔ دگنی اور چوگنی آواز اور ساڑے چار کروڑ روپیہ وغیرہ تعداد کی دو قسمیں ہیں۔

I:۔ایک جب ٹھیک عدد کسی شے کا معلوم ہو مثلاً پانچ گھوڑے۔ ۱۸ برس۔ چھ لڑکے۔ اسے تعداد معین (DEFINITE NUMBER) کہتے ہیں۔ اس کی پانچ قسمیں ہیں۔

i عدد محض:۔ جس میں صرف گنتی معلوم ہو۔ جیسے دو آدمی۔ تین شہر۔ چار آم

ii عدد ترتیبی:۔ جس میں معدود کی سلسلہ وار ترتیب معلوم ہو ۔جیسے دوسرا۔ تیسرا۔ چوتھا۔ پانچواں وغیرہ

iii عدد استغراقی:۔ جس میں تمام معدود کا شامل ہونا ظاہر ہو۔ جیسے پانچوں بھائی۔ ساتوں پُل۔ بیسوں لوگ وغیرہ۔

iv عدد اضعافی:۔ جس میں تعداد کی ضرب یا دُہرانا معلوم ہو۔ جیسے دُوگنا۔ تگنا۔ چوگنا۔ دس گنا وغیرہ۔

v عدد کسری:۔ جس سے کسی تعداد کی کسر ظاہر ہو۔ جیسے آدھا۔ سوا چار۔ ڈیڑھ۔ تہائی

I:۔تعداد غیر معین (INDEFINITE NUMBER) جب کسی شئے کی ٹھیک ٹھیک تعداد معلوم نہ ہو۔ مثلاً ہزار ہا مزدور۔ چند لوگ۔ کچھ چیزیں وغیرہ وغیرہ۔

د:۔صفت مقداری (QUANTITY) وہ صفت ہے جس سے کسی چیز کا وزن یا اس کی پیائش ظاہر ہو۔ جیسے پانچ من آٹا۔ تین گز کپڑا۔

ا:۔ صفت مقداری معین:۔ یعنی گرام۔ لیٹر۔ میٹر۔ کوئنٹل۔ کلو۔ من۔ قطرہ۔ چمچہ۔ گز۔ فٹ۔ میل۔ کوس

ب:۔ صفت مقداری غیر معین:۔ یعنی بہت۔ تھوڑا۔ کم زیادہ۔ کتنا۔ کچھ۔ ذرا۔ وغیرہ وغیرہ

ہ:۔ **صفت ضمیری:**۔ وہ ضمیر جو صفت کا کام بھی دیں۔ اور ضمیر کے طور بھی استعمال ہو سکیں جیسے یہ۔ وہ۔ جب یہ ضمیر اسم کے ساتھ آتے ہیں تو صفت ضمیری ہو جاتے ہیں جب اسم کے بغیر ہوں تو ضمیر ہے۔ وہ عورت آئی تھی۔ یہ قلم میرا ہے وغیرہ

﴿اقبال اور انسانیت﴾

سوال:۔مَقالہ پر ایک مختصر نوٹ لکھیئے؟

جواب:۔مَقالہ کے لغوی معنی ''بات'' یا ''گفتگو'' کے ہیں۔ اصطلاح میں کسی خاص موضوع پر علمی اور تحقیقی انداز میں تحریری اظہار کو مَقالہ کہا جاتا ہے مقالے تنقیدی اور تحقیقی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ان کی زبان بھی تنقیدی اور تحقیقی ہوتی ہے۔مَقالے میں سنجیدہ اور عالمانہ بحث ہوتی ہے۔مَقالے عام قارئین کے لئے نہیں بلکہ خاص لوگوں کے لئے لکھے جاتے ہیں۔مَقالہ میں کسی بات کے ثبوت کے لئے باقاعدہ حوالے دیئے جاتے ہیں اور ان پر مدلل بحث کر کے نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے۔مقالہ کا ایک نمونہ ہماری اردو درسی کتاب ''بہارستان'' میں شامل کیا گیا ہے۔ یہ مقالہ خواجہ غلام السّیدین کا لکھا ہوا ہے جو ان کی تصنیف ''آندھی میں چراغ'' سے لیا گیا ہے۔جس کا عنوان ''اقبال اور انسانیت'' ہے۔اس مقالہ میں خواجہ غلام السّیدین نے سر محمد اقبآل کی شاعری اور فلسفے کا ایک بھر پور جائزہ لیا ہے اور ہمارے سامنے علامہ اقبآل کی بامقصد شاعری کی ایک واضح تصویر پیش کی ہے جس سے ہمیں علامہ اقبال کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

سوال:۔ خواجہ غلام السّیدین کی حیات اور ان کے ادبی کارناموں پر مختصر نوٹ لکھئے؟

جواب:۔خواجہ غلام السّیدین ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے آپ مولانا حآلی کی بیٹی کے فرزند اور خواجہ غلام الثّقلین کے بیٹے ہیں۔سرکاری وظیفہ حاصل کر کے انگلستان چلے گئے۔ وہاں سے ایم۔ایڈ کی ڈگری امتیاز کے ساتھ حاصل کی۔واپس آ کر علی گڈھ میں ہیڈ ماسٹر ہوئے۔ پھر ٹیچر یس ٹرینگ کالج کے پرنسپل بنائے گئے وہاں سے ریاست رام پور میں ڈائیریکٹر کی حیثیت میں تعینات ہوئے۔ اس کے بعد ریاست جموں وکشمیر میں بھی ناظم تعلیمات بنائے گئے۔آزادی کے بعد حکومت بمبئی نے اپنا مشیر تعلیم مقرر کیا۔بعد میں حکومت ہند کی وزارت تعلیم کے مشیر اور جوائینٹ سکریٹری اور بعد میں سکریٹری کے عہدوں پر فائز ہوئے۔ملازمت سے ریٹائیر ہوئے تو ریاست جموں کشمیر نے تعلیم کے مُشیر بنائے یہاں سے نکل کر امریکہ کی یونیورسٹیوں میں پروفیسر تعلیمات مقرر ہوئے۔خواجہ صاحب ماہر تعلیم کی حیثیت سے بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔ وہ مشرق اور مغرب کے مختلف ممالک میں تعلیمی نظام ونصاب کو درست کرنے کے لئے بلائے جا چکے ہیں۔ وہ تحریر وتقریر دونوں پر یکسان قدرت رکھتے ہیں۔ان کی تصنیفات زیادہ تر انگریزی زبان میں ہیں۔اُردو مضامین کا مجموعہ ''آندھی میں چراغ'' شائع ہو چکا ہے۔آپ کی طرز تحریر پر حآلی 'اقبآل اور ابوالکلام آزآد کا اثر ہے۔سرسید کی سادگی' حآلی کی سنجیدگی' اقبال کا تفکر اور ابوالکلام آزاد کا جلال و جمال ان کی تحریر میں نمایاں ہیں وہ ایک سچے معلم تھے۔ان کی طبیعت شرین اور ان کا مزاج پُر خلوص ہے۔ ان کا طرز دلکش' دل پذیر' سادہ وپُرکار' پُرزُور' پُرمغز اور پُر اثر ہے۔

سوال:۔ خواجہ غلام السیدین کے مقالہ میں علامہ اقبال کے دیئے گئے سبھی اشعار کی تشریح کیجئے؟

شعر نمبر۱:۔کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد میری نگاہ نہیں سوئے کوفہ وبغداد

جواب:۔اس شعر میں علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ میری قوم میں جو لوگ اہل نظر اور صاحب فہم ہیں۔ وہ اس باب میں یقیناً مجھ سے متفق ہونگے کہ ہمیں جدید علوم اور فنون سکھینے اور حاصل کرنے کے لئے نئے نئے علمی مراکز اور جدید فنی ادارے قائم کرنے ضروری ہیں۔ کیونکہ

جوعلوم اورفنون آج سے ایک ہزار سال پہلے مسلمانوں کے علمی اداروں جو بغداد اور دیگر مسلم ممالک میں تھے پڑھائے جاتے تھے۔ وہ آج کل کے زمانے میں ہمارے اقتصادی ' معاشی' تمدنی اور سیاسی مسائل کا حل پیش نہیں کر سکتے ہیں

شعرنمبرب:۔ فقیہہ شہر کی تحقیر کا کیا مجال میری مگر یہ بات کہ میں چاہتا ہوں دل کی کشاد

تشریح:۔اس شعر میں علامہ اقبال نے ایک لطیف قسم کا طنز کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں اگر فقیہہ کی صحبت سے اجتناب کرتا ہوں تو اس لئے نہیں کہ مجھے اس کی تحقیر یا بے عزتی مقصود ہے۔ بلکہ اس لئے کہ فقہا کے پاس بیٹھ کر دل زندہ نہیں ہوسکتا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ صرف ظاہر بین ہوتے ہیں۔اس لئے ہمیشہ ساری توجہ شریعت کے ظاہری پہلو پر مرکوز کر دیتے ہیں۔تزکیۂ نفس اور درستی اخلاق ان کے پروگرام سے خارج ہے۔ان کا دل بھی تنگ ہے اور نظر بھی تنگ مگر میں دل کی کشادگی چاہتا ہوں۔

شعرنمبر ج:۔نہ فلسفی سے نہ مُلا سے ہے غرض مجھ کو یہ دل کی موت!وہ اندیشہ ونظر کا فساد!

تشریح اس شعر میں علامہ اقبال کہتے ہیں کہ میں فلسفی اور مُلا دونوں سے بیزار ہوں۔ وہ اس لئے کیونکہ فلسفی تو ساری عمر منطق اور فلسفہ میں بسر کر دیتا اور اپنے تزکیۂ نفس کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں۔ کہ فلسفہ سے قوت ذکر مردہ ہو جاتی ہے۔اب ملاّ کو لیجئے وہ ہمیشہ کُور ذوق' کم سواد اور تنگ نظر ہوتا ہے۔اپنے ہی اردگرد گھومتا ہے۔تعصب کا شکار ہوتا ہے۔اس لئے ملائیت سے قوت فکر مردہ ہو جاتی ہے۔مطلب یہ ہے۔کہ مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اُس میں یہ دونوں قوتیں ہوں اور ان دونوں قوتوں کی صحیح طریقے پر تربیت کرے تا کہ اچھی طرح سے اپنے مقصد حیات کو حاصل کر سکے۔اور اس کے ساتھ اللہ کی تائید بھی ہے۔

شعرنمبر د:۔ کیئے ہیں فاش رموز قلندری میں نے کہ فکر مدرسہ وخانقاہ ہو آزاد

تشریح:۔اس شعر میں علامہ اقبال فرماتے ہیں۔کہ میں نے اپنی شاعری کے ذریعہ اسلام کے اصلی حقائق ومعارف اس لئے بیان کئے تا کہ مسلمانوں کی تمام درس گاہوں اور خانقاہوں کے اندر انقلاب پیدا ہو جائے یعنی ان تمام اداروں کے اساتذہ صاحبان اور طلباء اپنی خداداد عقل سے بھی کام لے سکیں اور صحیح مقام تک پہنچ پائیں حقیقی مقصد و مدعا کو حاصل کر سکیں۔

غزل نمبر2 شعرنمبرا:۔ ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ 'غالب' وکار آفرین' کارکشا' کارساز۔

تشریح:۔ یہ شعر اس حدیث قدسی کا مفہوم پیش کرتا ہے جو صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے اس کا متعلقہ ٹکڑا یہ ہے کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرا بندہ نفلوں کے ذریعے سے میرے قریب ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اِس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کا کان بن جاتا ہوں۔جس سے وہ سنتا ہے۔اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے''۔اسی حدیث کے مطابق علامہ اقبال کہتے ہیں کہ بندہ مومن کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے وہ جو کچھ کرتا ہے خدا کے لئے کرتا ہے۔اس کا کوئی عمل ذاتی غرض سے آلودہ نہیں ہوتا۔لہذا اللہ اپنی رحمت سے اس کے ہاتھ میں اپنے ہاتھ کی شان پیدا کر دیتا ہے مثلاً مومن کا ہاتھ خدا کے ہاتھ کی طرح سب پر غالب رہتا ہے۔وہ سب کو حُسن عمل کا راستہ دکھاتا ہے۔کسی کے کام میں رکاوٹ پیدا ہو جائے تو اُسے دُور کر دیتا ہے۔اور کسی کا سلسلہ کار بگڑ جائے تو اُسے سنوار دیتا ہے یعنی مومن کی برکت سے لوگوں کی سرگرمیاں

صحیح مسلک پر رہتی ہیں۔ان کی مشکلیں آسان ہوتی ہیں ان کی بگڑی بنتی ہے باطل قوتوں کو ابھرنے کا موقعہ نہیں ملتا ہے۔

شعر نمبر ''ب'' خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز

تشریح:۔ اقبالؔ فرماتے ہیں کہ مومن اپنے جسم کے لحاظ سے بے شک خاکی ہوتا ہے لیکن رُوح کے لحاظ سے نوری ہوتا ہے اور عشق رُسول ﷺ کی بدولت اس میں خدائی صفات کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے اور اس کا دل دونوں جہاں سے غنی ہوتا ہے اور وہ محض خدا کی خوشنودی کا طلب گار رہتا ہے۔

شعر نمبر ''ج'' اس کی اُمیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل اس کی ادا دل فریب اس کی نگہ دل نواز

تشریح:۔ اس شعر میں علامہ اقبالؔ فرماتے ہیں کہ اس کی اُمیدیں بہت تھوڑی ہوتی ہیں۔وہ اپنے کسی کام کے لئے دنیا والوں سے اجر اور معاوضے کا خواہاں نہیں ہوتا۔اس کی غرض صرف یہ ہوتی ہے کہ اس دنیا میں خدا کی رضا پوری ہو جائے۔کہنے کو یہ معمولی مقصد ہے۔لیکن حقیقت پر نظر رکھی جائے تو اس سے زیادہ بڑا مقصد ہو ہی نہیں سکتا۔اس میں وہ تمام مقاصد آجاتے ہیں جنھیں اس دنیا کے بڑے بڑے انسانوں نے اپنا نصب العین بنایا۔مثلاً خلق خدا کی بہتری بہبودی اور امن، عالم گیر اخوت و مساوات تمام انسانوں کو خدا کے سچے بندے بنانا اور سب کو اُس کی چوکھٹ پر جھکانا۔دنیا میں اس سے بڑے مقاصد کیا ہو سکتے ہیں۔جو مومن کا نصب العین بنیں؟ اس کی پوری زندگی دیکھ کر انسانوں کے دلوں میں محبت اور احترام کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔وہ کسی پر عتاب کی نگاہ نہیں ڈالتا ہر ایک کی دل نوازی کرتا ہے۔

شعر نمبر 'د':۔ نرم دَمِ گفتگو، گرم دَمِ جستجو رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک باز

تشریح:۔ اس شعر میں علامہ اقبالؔ فرماتے ہیں کہ بندہ مومن جب بات چیت کرتا ہے تو بہت نرمی سے کرتا ہے۔

وہ تلاش حق میں انتہائی سرگرمی دکھاتا ہے۔میدان جنگ کا معاملہ ہو یا دوستوں کی محفل جم جائے، بندہ مومن دونوں جگہ پاک طینت اور پاک بازی کا پیکر ہوتا ہے یعنی وہ میدان جنگ یا مجلس شوریٰ میں کبھی خدا کی مقرر کی ہوئی حدوں سے تجاوز نہیں کرتا ہے۔یہی پاک دلی اور پاکبازی کا پہلا اور آخری معیار ہے کہ انسان زندگی کے ہر شعبے اور ہر حصے میں خدا کے حکموں کے مطابق چلے۔بال برابر بھی اِدھر اُدھر نہ ہو۔وہ ہر حرکت میں صرف خدا کی رضا پیش نظر رکھے۔

غزل نمبر 3:۔ شعر نمبر '1':۔ کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق نے ابلہ مسجد ہوں، نہ تہذیب کا فرزند

تشریح:۔اس شعر میں علامہ اقبال کہتے ہیں کہ دنیا والے چاہے مجھ سے خوش ہوں یا ناخوش! مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے میں تو وہی بات کہتا ہوں جسے حق یا سچ سمجھتا ہوں میں نہ علماء کے طبقہ سے تعلق رکھتا ہوں اور نہ زمرۂ دانشوران مغرب سے کوئی واسطہ ہے۔یعنی نہ میرے خیالات دقیانوسی ہیں اور نہ میں نئی روشنی کا علم بردار ہوں میں وہی بات زبان پر لاتا ہوں جو میرے نزدیک سچی اور حق ہو

شعر نمبر ۲۔اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بے گانے بھی ناخوش میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

تشریح۔اس شعر میں علامہ اقبال کہتے ہیں کہ مجھ سے اپنے بھی ناراض ہیں اور بیگانے بھی یعنی مسلمان بھی مجھ سے بگڑے بیٹھے ہیں اور غیر مسلم بھی، اس لئے کہ موجودہ زمانے میں وہی شخص سب کو راضی کر سکتا ہے۔جو جھوٹ بولے اور ریا کاری سے کام لے۔میری کیفیت یہ

ہے کہ میں ہلاک کر دینے والے زہر کو زہر ہی کہوں گا۔شکر کبھی قرار نہ دونگا غرض میں نہ جھوٹ بول سکتا ہوں اور نہ سخن سازی کر سکتا ہوں۔

شعر نمبر۳:۔ پُرسوز ونظر باز' نکو بین وکم آزار　　　آزاد وگرفتار تہی کیسہ وخرسّند

تشریح:۔ اس شعر میں علامہ اقبالؔ فرماتے ہیں کہ میری حالت کا نقشہ کیا ہے۔ یہ کہ میرا دل سوز وگداز سے لبریز ہے۔ میری نگاہ ہمیشہ حقیقت پر رہتی ہے۔ میں صرف اچھائیاں ہی دیکھتا ہوں۔عیب اور بُرائیاں تلاش نہیں کرتا۔کسی کو دُکھ نہیں دیتا۔اپنی خودداری کے باعث ہر تعلق سے آزاد ہوں البتہ عشق حق کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوں جیب مال وزر سے خالی ہے لیکن خوش اور مطمئن بیٹھا ہوں۔

شعر نمبر۴:۔ ہر حال میں میرا دل بے قید ہے خُرم　　　کیا چھینے گا غنچے سے کوئی ذوق شکر قند

تشریح:۔ اس شعر میں علامہ اقبالؔ فرماتے ہیں کہ میں ہر حال میں خوش رہتا ہوں جس طرح رنگ اور شگفتگی ایک غنچہ کی فطرت ہے اور کوئی اِسے بدل نہیں سکتا۔اسی طرح خوش وخرم رہنا میری فطرت میں داخل ہے میرے بدخواہ اور دشمن لاکھ کوشش کریں کہ میں اس نعمت سے محروم ہوجاؤں لیکن وہ مجھ کو اس نعمت سے محروم نہیں کر سکتے ہیں۔خواہ کوئی حالت پیش آجائے۔نظم ''نیا شوالہ'' کا آخری شعر۔۔۔

شکتی بھی' شانتی بھی' بھگتوں کے گیت میں ہے۔　　　دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

تفہیم الفاظ:۔ شکتی۔طاقت+شانتی۔اطمینان+بھگت۔عاشق+دھرتی۔زمیں+باسی۔رہنے والا+مکتی۔نجات+پریت۔محبت۔پیار۔

تشریح:۔ اس شعر میں علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ پُجاریوں کے گیت دل کو طاقت بھی بخشتے ہیں اور تسلی بھی دیتے ہیں۔زمیں کے رہنے والے صرف محبت کی بدولت نجات پاسکتے ہیں۔کیونکہ محبت کی وجہ سے اس دنیا میں زندگی پیدا ہوئی اور کائنات وجود میں آئی اور کائنات کی تمام چیزوں کا حُسن محبت ہی سے پیدا ہوا۔

سوال نمبر۱:۔صالح زندگی کی تعمیر کے لئے اقبال نے کِس بات کو ضروری قرار دیا ہے۔

جواب:۔ ایک صالح زندگی کی تعمیر کے لئے اقبال نے اس بات پر زور دیا تھا کہ ہم اپنی خودی کا احترام کریں یعنی اپنی خودی کو قائم رکھنے کے لئے ہم جو بھی کام کریں اُس میں اسی اصول کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔اور دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ ہم دوسروں کی خودی کا بھی احترام کریں۔جب تک ہم دوسروں کی خودی کا سچا احترام کرنا نہ سیکھیں گے اور اُن کے لئے خیالات وعقاید اور اعمال کی وہی آزادی نہ چاہیں گے۔جو اپنے لئے چاہتے ہیں۔جب تک ہم رواداری کو اپنی کشتی کا بادبان نہ بنائیں گے ہماری اپنی خودی پھل پھول نہیں سکتی لیکن شرط یہ ہے کہ یہ رواداری سچی اور گہری رواداری ہو جو میں اور تو کے فرق کو یکسر مٹا دے۔جو اختلاف کے بجائے ایکتا کی تلاش کرتی ہے جو دوسروں کے دکھ اور درد کو سمجھتی ہے تب صالح زندگی کی تعمیر ہوسکتی ہے۔

سوال نمبر۲:۔''خودی'' سے کیا مُراد ہے؟

جواب:۔ ''خودی'' فارسی زبان کا لفظ ہے۔''خود'' سے مشتق ہے خودی بمعی ذات خویش جسے عربی میں انَا اور انگریزی میں (SELEA) کہتے ہیں۔خودی کو اُردو میں لفظ ''میں'' سے تعبیر کر سکتے ہیں۔خودی سے ہم بعض اوقات خوداری اور عزت نفس بھی مراد لیتے ہیں اور اس مفہوم کی سرحد تکبر سے ملی ہوئی ہے۔چنانچہ اقبال نے بتایا ہے کہ ''خودی'' کو میں نے ان معنوں میں استعمال نہیں کیا ہے۔

اسی لئے اقبالؔ کے کلام میں خودی سے خود بینی یا غرور مراد نہیں ہے بلکہ اس کا مصداق وہ شئے ہے۔ جس سے قیامت کے دن باز پُرس ہوگی یا وہ شئے مراد ہے جس کا تزکیہ کرلیا جائے تو انسان فلاح پا جائے گا۔ خودی ایک غیر مادی جوہر ہے لیکن مادی جسم پر تصرف کرسکتی ہے۔ خودی وہ جوہر ہے جس کی بنیاد پر انسان کو اشرف المخلوقات کا لقب عنایت ہوا۔ خودی میں بے اندازہ قوتیں مخفی ہیں اور اقبالؔ کے فلسفہ خودی کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اِن مخفی قوتوں کی صحیح طریقہ پر تربیت کرلے۔

سوال نمبر۳:۔ دنیا آج کل کس خطرے کی زد میں ہے؟

جواب:۔ اقبالؔ فرماتے ہیں کہ آج کی دنیا میں قوم کا نام لے کر فرقہ پرستی کو ہوا دی جاتی ہے۔ ایک قوم والے تعصب کا شکار ہوکر دوسری اقوام سے نفرت کرتے ہیں۔ نسل کی بنیاد پر انسان کے درمیان دیوار کھڑی کردی جاتی ہے۔ ذات پات کی تمیز نے لوگوں کو سخت پریشان کیا ہوا ہے۔ پھر ایک ملک دوسرے ملک سے نفرت کرتا ہے۔ اقبالؔ فرماتے ہیں کہ ان ہی چیزوں سے آج دنیا کو خطرہ ہے۔ انہوں نے ان ہی بُرے عادات اور تباہ کن خصلت کے خلاف علم بلند کیا ہے۔

سوال نمبر۴:۔ اقبال کی شاعری کے بنیادی فکری پہلو کیا ہے؟

جواب:۔ ''اقبال اور انسانیت'' مقالہ میں خواجہ غلام السّیدین نے اقبال کی شاعری اور ان کے فکر کے چند اساسی پہلوؤں کی وضاحت کی ہے۔ اُن میں نوع انسّان کی وحدت، احترام خودی رواداری اور انسان دوستی کے پہلو قابل ذکر ہیں۔ اقبال بہتر انسان کی تلاش میں ہے۔ جس کے دم سے یہ دنیا خوبصورت بن سکتی ہے اقبال نے اپنی شاعری میں جگہ جگہ نہایت دل کش انداز میں اس دل و دماغ کے انسان کی تصویر کشی کی ہے۔ جو رنگ، نسل، ذات بات جیسے بناوٹی اختلافات کو بالکل پسند نہیں کرتا ہے۔ جو انسان کے درمیان اتفاق کی حقیقت کو دیکھ اور سمجھ سکتا ہے۔ یہ بہتر انسان ساری دنیا کو مالک کُل کا ایک بڑا ملک مانتا ہے۔ اور اس میں رہنے والے ہر شخص کو ایک ہی خاندان کا فرد سمجھتا ہے۔ وہ انسانوں کے درمیان فرق تسلیم نہیں کرتا ہے۔

سوال نمبر۵:۔ انسان اور انسانیت کی فلاح کے لئے اقبال کا پیغام کیا ہے۔

جواب:۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ قوم، رنگ، نسل، ذات پات، فرقہ پرستی، ملک کے خیال نے انسانوں کے درمیان اختلاف پیدا کیا۔ ان کا کلام ان باتوں کے خلاف اعلان جنگ ہے جیسے رنگ، نسل، کلیسا اور قومیت نے پیدا کردیا ہے۔ وہ اسلام کی وکالت نہیں کرتے ہیں بلکہ ایک بہترین انسانی سماج کو تمام دولتوں پر بڑھ چڑھ کر پیش کرتے ہیں۔ وہ صرف عشق کے ہتھیاروں کی مدد سے انسان کو اپنی منزل مقصود کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ انسان اس کی مدد سے سچی مسرت اور خوشی حاصل کرسکتا ہے۔ انسان اپنی خودی کو قائم رکھنے کے لئے جو بھی کام کرے۔ اس میں ایک اصول پیش نظر رہنا چاہئے۔ اور دوسروں کو بھی ایک صالح زندگی کی تعمیر کے لئے یہ شرط بہت ہی اہم ہے کہ جب تک انسان رواداری کو اپنی کشتی کا بادبان نہ بنائے ہماری خودی کام نہیں کرسکتی ہے۔ صداقت، دیانت اور جرأت کی صفتیں اس کی مدد سے حاصل ہوسکتی ہے۔ تعصب اور نسلی حدود ختم کردینا چاہئے۔ محبت کی دھیمی روشنی اور ٹھنڈی ہوا بند غنچوں کو پھول بنادے تاکہ انسان خون پینے کی بجائے ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں ساتھی بن جائے۔ اسی سے انسان اور انسانیت پھل پھول سکتی ہے۔

سوال۶:۔ اس مقالے کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے:۔

جواب:۔ یہ مقالہ خواجہ غلام السّیدین کا لکھا ہوا ہے۔اپنے اس مقالے میں خواجہ غلام السیدین نے علامہ اقبالؒ کی شاعری اور فلسفے کا بھرپور جائزہ لیا ہے اور علامہ اقبالؒ کی شاعری کی ایک واضح تصویر پیش کی ہے۔جس سے ہمیں علامہ اقبالؒ کو سمجھنے میں بہت حد تک مدد ملتی ہے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہمیں علامہ اقبالؒ کی شاعری میں دو خاص باتیں نظر آتی ہیں۔ایک یہ کہ وہ ایک بہتر انسان کا وجود چاہتے ہیں اور دوسری یہ کہ وہ ایک بہتر سماج کی تشکیل چاہتے ہیں۔ان کی شاعری کا ایک مرکزی خیال یہ ہے کہ قوم، رنگ، نسل، ذات پات اور ملک کے تصور نے دنیا کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بانٹ دیا ہے۔انسانوں کے درمیاں نفرت کی دیواریں کھڑی کر کے زندگی کے حسّین چہرے کو بگاڑ دیا ہے۔اس کے برعکس اقبال ایک بہترین انسانی سماج میں یقین رکھتے ہیں اور اسلام ایک ایسا نظام پیش کرتا ہے جو نسل، رنگ، ذات پات، قومیت اور علاقہ بندی کو یک قلم مٹا دیتا ہے لہذا اقبالؒ کو یہی سماج زیادہ پسند ہے۔علامہ اقبالؒ نے اپنے کلام میں جگہ جگہ اُس دل و دماغ کے انسان کو اپنے خوبصورت شعروں میں پیش کیا جو ان نفرت کی دیواروں کو گرا کر عالمی برادری اور انسانیت کا خواب پورا کر سکتا ہے۔وہ فکر و فلسفہ کو ضروری سمجھتا ہے۔سائنس کی اہمیت کو سمجھتا ہے۔لیکن دل کی دولت یعنی محبت کو ہر قسم کی دولت سے بہتر سمجھتا ہے۔ علامہ اقبال نے ایک اچھی اور با مقصد زندگی کے لئے جو دوسری شرط پیش کی ہے وہ یہ ہے کہ ہم اپنی خودی کا بھی احترام کریں اور دوسروں کی خودی کا بھی احترام کریں۔اقبالؒ کی سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ انسان ''بندہ مومن، بن جائے کیونکہ بندہ مومن کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہوتا ہے وہ مشکلات کو دور کرنے والا ہوتا ہے اس میں مولا جیسی صفات ہوتی ہیں۔اُس کی آرزوئیں بہت کم' مقاصد عظیم ہوتے ہیں وہ نرم دل اور نرم مزاج ہوتا ہے۔لیکن اُس کا دل خدا اُور اس کے بنائے ہوئے انسانوں کی محبت سے لبریز ہوتا ہے۔

اقبالؒ نے ہمیں جو پیغام دیا ہے وہ نہ تو نیا ہے اور نہ انوکھا۔خدا کے ہر نیک بندے نے اس پیغام کو اپنے اپنے انداز سے پیش کیا ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ اقبال کے اس پیغام کو عام کیا جائے اور خود علامہ اقبالؒ کو دنیا کے سامنے اسی انسانی وحدت کے پیغام کے علم بردار کی حیثیت سے پیش کرنے کی ضرورت ہے۔اقبال جیسے دل و دماغ کے انسان' باکمال شاعر اور فلسفی روز روز پیدا نہیں ہوتے یہ عظیم انسان ہر زمانے کے لئے ہوتے ہیں اور ہر قوم و ملت کے لئے ہوتے ہیں ہر جگہ کے لئے ہوتے ہیں۔اقبال اور اُن جیسے لوگ ہر زمانے کے لئے بیش بہا دولت ہوتے ہیں۔

۷:۔ جملوں میں استعمال کیجئے:۔ خیال۔ تلاش کرنا۔ ٹھیس۔ حامی

جواب:۔ خیال:۔ اقبال کی شاعری کا ایک مرکزی خیال یہ ہے کہ خودی کا احترام کیا جائے۔

تلاش کرنا:۔ آپ کو ایک ایسے دوست کو تلاش کرنا چاہیے جو دکھ سکھ میں ساتھی بن جائے۔

ٹھیس:۔ اپنے عمل سے آپ نے ہمیشہ میرے دل کو ٹھیس پہنچائی۔

حامی:۔ میرے دوست نے ہمارے گھر دعوت پر آنے کی حامی بھر لی۔

۸:۔ خواجہ غلام السّیدین کی حیات اور اُن کے کارناموں کا تذکرہ کیجئے؟

جواب:۔ اس سوال کا جواب سبق کے شروع میں صفحہ نمبر ۱۰۹ پر دیا گیا ہے۔

۹:۔ مصنف کا حوالہ دے کر درج ذیل اقتباس کو سیاق وسباق کے ساتھ اپنے الفاظ میں لکھیئے :۔

اقتباس:۔ ''اپنے دل اور دماغ کے دروازوں کو کھول دو۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہی اقبال کی شاعری کا مرکزی پیغام ہے۔

جواب:۔ یہ اقتباس ہماری درسی کتاب ''بہارِستان'' میں درج خواجہ غلام السّید ین کے مقالہ ''اقبال اور انسانیت'' سے لیا گیا ہے جو ان کی تصنیف ''آندھی میں چراغ'' سے ماخوذ ہے۔خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ علامہ اقبالؒ نے تعصب' ذات بات' رنگ ونسل' کے فرق کو مٹانے کے لئے ایک جامع تصور پیش کیا ہے۔ان سطور میں خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہمیں اپنے دل ودماغ سے تنگ نظری اور نسلی تمیز کے پردوں کو ہٹانا چاہئے۔انسان کو انسان سمجھنا چاہئے ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ محبت سے رہنا چاہئے۔اس محبت سے ہمیں بند پڑے ہوئے بھائی چارے کے راستوں کو کھولنے میں مدد ملیگی۔ہم آپس میں لڑنے کے بجائے ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوجائیں اور انسان علم اور سائنس کی بدولت ملی ہوئی طاقت انسان اور انسانیت کی خدمت، تخلیقی جدوجہد، خوشحالی اور امن وامان کے لئے استعمال کریں اور یہی اقبال کی شاعری کا مرکزی خیال ہے۔

۵:۔ صحیح جواب تلاش کیجئے ؟:۔

ا:۔ ''آندھی میں چراغ'' کے مصنف کا نام ڈاکٹر اقبال۔سر سید احمد خان۔غلام السید یں

جواب:۔ آندھی میں چراغ کے مصنف کا نام خواجہ غلام السّید یں ہے۔

۲:۔ ''کہکشان'' سے مراد ہے۔ ستارون کا جھرمٹ۔ سیاروں کا مجموعہ۔ چاند کا چکر

جواب:۔ ''کہکشان'' سے مراد ہے ستاروں کا جُھرمٹ۔

۳:۔ ''مولانا حالی' جدید تعلیم کے مخالف تھے۔جدید تعلیم کے حامی تھے۔جدید تعلیم سے بے زار تھے۔

جواب:۔ مولانا حالی جدید تعلیم کے حامی تھے۔

۴:۔ ''افسانہ''ایسی نثری کہانی ہے جس میں ایک یا ایک سے زیادہ کردار ہوسکتے ہیں۔

اشعار کا ہونا ضروری ہے۔پلاٹ نہیں ہوتا ہے۔

جواب:۔ ''افسانہ''ایسی نثری کہانی ہے جس میں ایک یا ایک سے زیادہ کردار ہوسکتے ہیں

۵:۔ ''باغ وبہار''ایک کہانی۔ڈراما۔ داستان ہے۔

جواب:۔ ''باغ وبہار''ایک داستان ہے۔

۶:۔ ''خوشامد''ایک افسانہ۔مقالہ۔انشایہ ہے۔

جواب:۔ ''خوشامد''ایک انشایہ ہے۔

۷:۔ گرامر:۔ ''اسم تصغیر''

اسم تصغیر:۔ وہ اسماء جو کسی اسم کی چھوٹائی کو ظاہر کریں مثلاً ٹوکرا سے ٹوکری۔ باغ سے باغیچہ۔ اسم تصغیر کے مختلف معنی ہیں:۔

الف:۔ چھوٹائی کے معنوں میں جیسے صندوق سے صندوقچہ

ب:۔ حقارت کے لئے جیسے مرد سے مردوا۔ ٹٹو سے ٹٹوا

ج:۔ پیار اور محبت کے لئے جیسے بھائی سے بھیا۔ مکھ سے مکھڑا۔ آنکھ سے انکھڑی وغیرہ۔

اسم تصغیر بنانے کا قاعدہ:۔ اسم تصغیر بنانے کے لئے کسی لفظ کے آخر میں یہ لاحقے آخر میں جوڑ دیتے ہیں۔ ی۔ چہ۔ یچہ۔ چی۔ ڑا۔ ڑی۔ یا ۔لا۔ لی۔ اک۔ یزہ۔ و۔

مندرجہ ذیل اسم تصغیر کی مشق لاحقہ کے ساتھ دی گئی ہے۔

لفظ	لاحقہ	اسم تصغیر	لفظ	لاحقہ	اسم تصغیر
پہاڑ	ی	پہاڑی	پٹڑ	ی	پٹڑی
تھال	ی	تھالی	پترا	ی	پتری
ڈال	ی	ڈالی	پنکھا	ی	پنکھی
نگر	ی	نگری	پیالہ	ی	پیالی
بالا	ی	بالی	جھونپڑا	ی	جھونپڑی
نالہ	ی	نالی	چمڑا	ی	چمڑی
تھیلا	ی	تھیلی	کمل	ی	کملی
گھڑ	ی	گھڑی	کونڈا	ی	کونڈی
کٹورا	ی	کٹوری	آرا	ی	آری
بُرج	ی	بُرجی	امّاں	ی	امّی
پگڑ	ی	پگڑی	پتیلا	ی	پتیلی
پٹارا	ی	پٹاری	ٹوکرا	ی	ٹوکری
ٹھیکرا	ی	ٹھیکری	کتاب	چہ	کتابچہ
چمڑا	ی	چمڑی	صندوق	چہ	صندوقچہ
شیشہ	ی	شیشی	طاق	چہ	طاقچہ

کمبل	ی	کمبلی	دیگ	چہ	دیگچہ
بہن	ا	بہنا	صحن	چہ	صحنچہ
ڈبہ	ا	ڈبا	آلو	چہ	آلوچہ
انٹی	ا	انٹیا	آفتاب	چہ	آفتابچہ
بچھو	ا	بچھوا	بغ	چہ	بغچہ
انگی	ا	انگیا	دریا	چہ	دریاچہ
بوری	ا	بوریا	در	یچہ	دریچہ
بیٹی	ا	بٹیا	باغ	یچہ	باغیچہ
پاگل	ا	پگلا	نے	یچہ	نیچہ
پنڈلی	ا	پنڈلیا	ڈول	چہ	ڈولچی
جورو	ا	جوروا	دُم	چی	دُمچی
چوٹی	ا	چٹیا	بقچہ	چی	بقچی
لونڈی	ا	لونڈیا	دیگ	چی	دیگچی
ہانڈی	ا	ہنڈیا	ڈھول	ک	ڈھولک
آنکھ	ڑی	آنکھڑی	عین	ک	عینک
ٹانگ	ڑی	ٹنگڑی	مرد	ک	مردک
کوٹھا	ڑی	کوٹھڑی	باپ	و	باپو
پنکھ	ڑی	پنکھڑی	مرد	وا	مردوا
گھٹا	ڑی	گھٹڑی	من	وا	منوا
ہاتھ	ڑی	ہتھڑی	نین	وا	نینوا
پگڑی	یا	پگیا	طشت	ری	طشتری
پڑا	یا	پڑیا	مکھ	ڑا	مکھڑا
چادر	یا	چدریا	مشک	یزہ	مشکیزہ

۸:۔ گرامر:۔مرکب تام:۔وہ مرکب ہے جس سے سننے والا پورا پورا مطلب سمجھ جائے اس کو مرکب مفید یا جملہ بھی کہتے ہیں مثلاً زید دانا ہے۔

بناوٹ یا صورت کے لحاظ سے جملے کی دو قسمیں ہوتی ہیں (ا) جملہ مفرد (ب) جملہ مرکب

ا:۔ جملہ مفرد وہ جملہ ہے جس میں صرف ایک مبتدا اور ایک خبر ہو۔جیسے وہ بلند آواز سے پڑھتا ہے۔

۲:۔ جملہ مرکب وہ جملہ ہے جس میں دو یا دو سے زیادہ مفرد جملے مل کر کسی ایک مفہوم یا خیال کو ادا کریں۔مثلاً میں آگے آگے جا رہا تھا وہ پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔

مفہوم کے لحاظ سے یا مضمون کے اعتبار سے جملے کی دو قسمیں ہوتی ہیں (ا) جملہ خبریہ (۲) جملہ انشائیہ

[ا]:۔ جملہ خبریہ:۔ اگر کسی جملے میں سچ یا جھوٹ کا گمان پایا جائے اُسے جملہ خبریہ کہتے ہیں جیسے (ا) حامد بیمار ہے (ب) نظیر سرینگر جائے گا (ج) احمد سکول کا کام کرتا ہے (د) بارش خوب زور سے برسی۔مثال کے طور پر چوتھے جملے کے متعلق یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ خبر سچ ہے یا جھوٹ ہے۔یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بارش ہوئی ہو لیکن زور سے نہ ہوئی ہو۔بلکہ کہنے والے نے اپنی طرف سے بڑھا کر کہہ دیا ہو اس قسم کے جملے میں شک یا شبہ، سچ اور جھوٹ کا گمان پایا جاتا ہے۔

[ب]:۔ جملہ انشائیہ:۔ جس جملے میں کسی قسم کا شک یا شبہ نہ پایا جائے اُسے جملہ انشائیہ کہتے ہیں جیسے ''خُدا ایک ہے''۔اس جملے میں شک وشبہ یا جھوٹ کا کوئی گمان نہیں کیونکہ حقیقت میں خدا ایک ہے۔اس لئے یہ جملہ ''جملہ انشائیہ'' کہلاتا ہے اور ایسے جملے میں حُکم۔ روک۔سوال۔حیرانی۔تعریف۔خوشی۔طلب۔افسوس۔قسم۔عرض۔خواہش اور تنبیہ پائی جاتی ہے اور سچ یا جھوٹ نہ کہہ سکیں۔

مثلاً:۔ ادھر آؤ۔ وہاں نہ جاؤ۔ تم کب دہلی جاؤ گے۔ کیا خوب شعر ہے۔ شاباش تم نے اچھا کام کیا ہے۔واہ واہ عمدہ نظارہ ہے۔ مجھے اپنا قلم دیجئے۔ ہائے میں اکیلا رہ گیا۔ خدا کی قسم دوبارہ ایسا نہیں کروں گا۔ مہربانی کر کے گھر سے نہ نکلنا۔ کاش میری حالت کوئی دیکھتا۔ خبردار اس پُل سے نہ گزرنا۔وغیرہ

جملہ (Sentence):۔ لفظوں کے اُس مجموعے کو کہتے ہیں جس سے پورا پورا مطلب سمجھ میں آجائے جیسے علم بڑی دولت ہے۔جھوٹ نہ بولو۔ وقت ضائع نہ کرو۔ خدا سے ڈرو۔ جملے کے دو بڑے جزو ہوتے ہیں (ا) مُسند الیہ (Subject)(ب) مسنَد PREDICATE

ا:۔ مُسّند الیہ وہ اسم ہے جس کی بابت کچھ کہا جائے جیسے انور نیک ہے اس میں انور کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ نیک ہے لہذا انور مُسّند الیہ ہے اور ''نیک'' مُسّنَد ہے۔

ب:۔ مَسّند وہ خبر ہے جو کچھ اسم کے باپت کہا گیا ہے۔اُسے مُسّند کہتے ہیں جیسے ''اکرم محنتی ہے'' اس میں اکرم کے باپت کہا گیا ہے کہ وہ محنتی ہے لہذا ''محنتی'' مسّند ہے۔

نوٹ:۔ مُسّنَد اِلیہ ہمیشہ اسم ہوتا ہے اور مُسّند کبھی اسم ہوتا ہے اور کبھی فعل ہوتا ہے۔

لہذا مُسَنَد کے لحاظ سے جملے کی دو قسمیں ہیں   ا:۔   جملہ اسمیہ   ب:۔ جملہ فعلیہ

ا:۔   جملہ اسمیہ:۔ جملہ اسمیہ وہ جملہ ہے۔جس میں مُسند اسم ہو۔جیسے ''بشیر نیک ہے''اس میں مُسند ''نیک'' ہے جو اسم ہے لہذا جملہ' جملہ اسمیہ ہے۔ جملہ اسمیہ میں مُسَنَد اِلیہ کو 'مبتدا' اور 'مسند' کو 'خبر' کہتے ہیں۔

ب:۔   جملہ فعلیہ :۔جملہ فعلیہ وہ جملہ ہے۔جس میں مُسَنَد فعل ہو۔جیسے ''فاروق کھیلتا ہے''اس میں مُسَنَد''کھیلتا ہے'' جو فعل ہے پس یہ جملہ' جملہ فعلیہ ہے۔جملہ فعلیہ میں مُسَنَد اِلیہ کو فاعل اور مُسَنَد کو فعل کہتے ہیں۔

جملہ اسمیہ میں جو فعل مبتدا اور خبر کے ساتھ مل کر پورے معنی دیتا ہے۔اُسے 'فعل ناقص' (Helping Verb) کہتے ہیں۔ جیسے ''رشید نیک ہے'' اگر ہم صرف یہ کہیں کہ ''رشید ہے'' تو پورا مطلب سمجھ میں نہیں آتا ہے۔یا ہم یہ کہیں کہ ''نیک ہے'' تو بھی پُورا مطلب سمجھ میں نہیں آتا ہے لیکن جب کہیں کہ ''رشید نیک ہے'' تو پورے معنی سمجھ میں آتے ہیں۔لہذا ''ہے'' فعل ناقص ہے اس کے علاوہ ہوں۔ہو۔ہوا۔ہوگیا۔تھا۔تھے۔تھی۔ ہیں۔ہوگئی۔ہوگئے۔گا۔گے۔بے وقوف نکلا۔نظر آتا۔بنوں گا وغیرہ بھی فعل ناقص ہے۔جیسے:۔بشیر نیک ہے۔لڑکے محنتی ہیں۔میں نادان ہوں۔وہ پاگل ہوگیا۔وہ بیمار ہوا۔تم بے کار ہو۔وہ کھڑا تھا۔وہ بڑا بے وقوف نکلا۔ میں ڈاکٹر بنوں گا۔اکبر بیمار نظر آتا ہے۔

مندرجہ بالا جملوں کے اجزائے ترکیبی یہ ہیں

مبتدا	خبر	فعل ناقص	مبتدا	خبر	فعل ناقص
بشیر	نیک	ہے	تم	بے کار	ہو
لڑکے	محنتی	ہیں	وہ	کھڑا	تھا
میں	نادان	ہوں	وہ	بڑا بے وقوف	نکلا
وہ	پاگل	ہوگیا	میں	ڈاکٹر	بنوں گا
وہ	بیمار	ہوا	اکبر	بیمار	نظر آتا ہے

۹:۔ نیچے دیئے ہوئے جملوں میں سے جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ الگ الگ کریں؟

مقصود دوڑتا ہے۔حمید نادان ہے۔محبوب نے گانا گایا۔خورشید چالاک ہے۔اشرف کھیلتا ہے۔کوّا کالا ہے۔رمیش نے پانی پیا۔

جواب:۔ جملہ اسمیہ یہ ہیں:۔حمید نادان ہے + خورشید چالاک ہے + کوّا کالا ہے + جملہ فعلیہ یہ ہیں۔مقصود دوڑتا ہے۔محبوب نے گانا گایا + اشرف کھیلتا ہے + رمیش نے پانی پیا

اُردو کے مشہور شعراء کے نام جن کا کلام ہماری درسی کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔

نمبر شمار	پورا نام	تخلص	تاریخ پیدائش	تاریخ وفات	نمایندہ شاعر
۱	میر تقی محمد	میر	۱۷۲۳ء	۱۸۱۰ء	غزل
۲	خواجہ حیدر علی	آتش	۱۷۷۸ء	۱۸۴۶ء	غزل
۳	مرزا اسد اللہ خان	غالب	۱۷۹۶ء	۱۸۶۹ء	غزل
۴	سید علی محمد	شاد عظیم آبادی	۱۸۴۶ء	۱۹۲۷ء	غزل۔مرثیہ
۵	شوکت علی خان	فانی	۱۸۷۹ء	۱۹۴۲ء	غزل
۶	ہنس راج ابرول	عرش صہبائی	۱۹۳۰ء		غزل
۷	سید محمد اکبر	اکبر جے پوری	۱۹۲۸ء	۱۹۹۸ء	غزل
۸	عبدالقیوم خان	ہمدم کشمیری	۱۹۳۷ء		غزل
۹	سید محمد شبیب	شبیب رضوی	۱۹۳۵ء		غزل
۱۰	مرزا محمد رفیع	سودا	۱۷۱۰ء	۱۷۸۱ء	قصیدہ
۱۱	مرزا سلامت علی	دبیر	۱۸۰۳ء	۱۸۷۵ء	مرثیہ
۱۲	ولی محمد	نظیر اکبر آبادی	۱۷۲۵ء	۱۸۲۵ء	نظم
۱۳	پنڈت برج نارائن	چکبست	۱۸۸۲ء	۱۹۲۶ء	نظم
۱۴	محمد حسین	آزاد	۱۸۳۲ء	۱۹۱۰ء	نظم
۱۵	شیخ محمد اقبال	اقبال	۱۸۷۷ء	۱۹۳۸ء	نظم
۱۶	مرزا محمد یاسین	یاسین	۱۹۴۳ء		نظم
۱۷	میر ببر علی	انیس	۱۸۰۲ء	۱۸۷۴ء	مرثیہ
۱۸	جگت موہن لال	رُواں اناوی	۱۸۸۹ء	۱۹۳۴ء	غزل و رباعی
۱۹	خواجہ الطاف حسین	حالی	۱۸۳۷ء	۱۹۱۴ء	نظم
۲۰	عبدالقدوس	رسا جاودانی	۱۹۰۱ء	۱۹۷۹ء	غزل
۲۱	میر امن	داستان	۱۸ویں صدی	۱۸۶۷ء	باغ و بہار ۱۸۰۲ء
۲۲	ڈپٹی نذیر احمد	ناول	۱۸۳۶ء	۱۹۱۲ء	مراۃ العروس۔توبۃ النصوح۔ابن الوقت

۲۳	منشی پریم چند	افسانہ	۱۸۸۰ء	۱۹۳۷ء	بازارِ حُسن ۔غبن ۔گئودان ۔چوگان ہستی
۲۴	نور شاہ	افسانہ	۱۹۳۶ء		بے گھاٹ کی ناؤ ۔آسمان پھول اور لہو
۲۵	مولوی عبدالحق	خاکہ	۱۸۷۰ء	۱۹۶۱ء	تنقیدات عبدالحق ۔خطابات عبدالحق
۲۶	سرسید احمد خان	انشائیہ	۱۸۱۷ء	۱۸۹۸ء	آثار الصنادید۔ تہذیب الاخلاق۔ طعاب احمد
۲۷	خواجہ غلام السیدین	مقالہ	۱۹۰۴ء	۱۹۷۱ء	آندھی میں چراغ ۔اصول تعلیم
۲۸	صاحب زادہ محمد عمر	ڈراما	۱۸۹۰ء	۱۹۴۶ء	ناٹک ساگر ڈرامے کی تاریخ
۲۹	منشی نورالٰہی	ڈراما	۱۸۸۳ء	۱۹۳۵ء	متعدد ڈرامے ۔تنقیدی مضامین

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
فلسفہ	حکمت ۔ دانائی۔ علم موجودات	بتاں	مورتیاں ۔معشوق ۔صنم	ناپاک	گندہ ۔میلا ۔نجس
مرکزی	عین ۔وسطی ۔صدر مقام	بےفیض	وہ شخص جس سے کوئی فائدہ نہ ہو	پجاری	پوجنے والا ۔عبادت کرنے والا
قوم	فرقہ ۔خاندان ۔ذات	مسلسل	متواتر ۔پے در پے	ذلیل	خوار ۔رسوا ۔بے عزت
نسل	قبیلہ۔ آل اولاد۔ بال بچے	جہاد	کوشش کرنا۔ مذہب کے لئے لڑنا	مثنوی	شعروں میں کوئی کہانی بتانا
رنگ	رنگت ۔روپ ۔قِسم	کلیسا	گرجا۔ جہاں عیسائی عبادت کرتے ہیں	اسرار	سِر کی جمع ۔راز ۔خفیہ باتیں
ذات پات	سلسلہ ذات ۔حسبِ نسب	تحریک	کوشش ۔شروع کرنا	خودی	اپنی ذات ۔خودمختاری
تصوّر	دھیان ۔خیال ۔سوجھ	تراشا	ایجاد کیا ۔آراستہ ۔اختراع	دیباچہ	تمہید ۔سرنامہ ۔آراستہ
مخالفت	اختلاف ۔کشیدگی ۔ضد	قوّت	مدد ۔دولت ۔طاقت	سماج	انجمن ۔سوسائیٹی ۔کمیٹی
نظام	بندوبست ۔انتظام ۔بنیاد	مدرسہ	سکول ۔پڑھنے کی جگہ	عقائد	عقیدہ کی جمع ۔اعتقاد
نظرانداز کرنا	ناپسند کرنا ۔توجہ نہ دینا	خانقاہ	درویشوں کے رہنے کی جگہ	اعمال	عمل کی جمع ۔وظایف
یک قلم	ایک ہی دفعہ ۔فوراً ۔تمام	عظمت	بزرگی ۔شان وشوکت	رواداری	بے تعصبی ۔تعصب کے بغیر

دلکش	خوشنما۔دل لبھانے والا	قائل	غلطی قبول کرنا۔تسلیم کرنے والا	بادبان	جھنڈا جو جہاز پر لگاتے ہیں
پیرائے	طرز۔طریقہ۔ڈھنگ	برتر	اعلٰی۔بہتر۔نہایت عمدہ	پھل پھول	میوہ جات۔ترکاریاں
جابجا	ہر جگہ۔ ہر مقام پر۔ ہر موقعہ	عشق	پیار۔محبت۔چاہ	اُوچھی	کم ظرف۔کمینہ۔ہلکا
مصنوعی	بناوٹی۔جعلی۔ساختہ	جادو	ٹونا۔سحر۔منتر	تشکیک	شک میں ڈالنا۔شبہ کرنا
وحدت	توحید۔ایک ہونا	ترجیح دینا	فوقیت دینا۔فضیلت دینا	محض	فقط۔خالص۔بالکل
روادار	خیرخواہ۔طرفدار۔ساتھی	مسلح	ہتھیار بند۔ ہتھیار لگائے ہوئے	بےاعتنائی	بے پروائی۔دور رہنا
اختلافات	خلاف ہونا۔فرق	مسرت	خوشی۔شادمانی۔فرحت	اختلاف	خلاف ہونا۔اتفاق کی ضد
فراخ دل	کشادہ دل۔بڑادل والا	شرافت	بزرگی۔انسانیت	ایکتا	اتفاق۔میل ملاپ
خدوخال	شکل وصورت۔چہرہ مہرہ	ہم کنار	ہم آغوش۔بغل گیر	فراخی	چوڑائی۔وُسعت
اہل نظر	آنکھوں والے۔ پرکھنے والے	دوزخ	جہنم۔نرگ۔پیٹ	غرور	گھمنڈ۔تکبر۔گمان
بستی	آبادی۔شہر۔گاؤں	واضح کرنا	ظاہر کرنا۔کھولنا۔بتانا	انانیت	خودداری۔مغروری
سوئے	سمت۔طرف۔جانب	معنی خیز	پُرمعنی۔معنی سے بھرا ہوا	جذبہ	جوش دل۔دلی ولولہ
فقیہہ	علم فقہ کا عالم۔ شرع کا واقف	صالح	نیک۔پارسا۔پرہیزگار	امانت	سپرد کی ہوئی چیز
تحقیر	حقارت۔ بے قدری۔ حقیر	تعین کرنا	تقرر کرنا۔تشخیص کرنا	دام	قیمت۔مُول۔پھندا
مجال	قدرت۔طاقت۔حوصلہ	احترام	عزت۔توقیر۔آوبھگت	خودداری	ضبط۔قناعت۔رکھاؤ
کشاد	خوشی۔فتح فراخی۔کُھلا	سُر	تال۔راگ۔آواز	صداقت	سچائی۔خلوص۔وفاداری
فلسفی	محقق۔ ملا سفر۔ فلسفہ جاننے والا	عقیدہ	اعتقاد۔دل میں جمایا ہوا یقین	جرأت	دلیری۔مردانگی۔بہادری

مُلا	مسجد میں رہنے والا۔امام	اُمید پرور	آس دلانے والا۔ خواہش رکھنا	رُکن	ستون۔کارندہ جزوی حصہ
اندیشہ	کھٹکا۔ڈر۔خوف	حوصلہ آفرین	مقدور بھرا۔جرأت سے بھرپور	فراخ دلی	وسیع دل۔کشادہ سینہ
فساد	جھگڑا۔ہنگامہ۔فتنہ	پیغام	سندیسا۔زبانی بات	چند	کس قدر۔کتنے۔کچھ۔کئی
فاش کرنا	ظاہر کرنا۔کُھلانا۔آشکارا کرنا	جھلک	روشنی۔چمک دمک۔تجلی	روزمرہ	ہرروز۔ہمیشہ۔متواتر
رموز	باریکی۔راز۔بھید	ہمدوش	برابر۔ساتھ۔ہم قد	بول چال	گفتگو۔کہنا سُننا۔بات چیت
قلندری	دین ودنیا سے آزاد آدمی	ثریا	جھمکا۔سات ستارے	بھید	پوشیدہ راز۔دلی بات
فکر	اندیشہ۔خیال۔حاجت	شرط	عہدوپیچان۔قول وقرار	پیش پا اشارہ	نہایت معمولی۔معمولی
نیستی	فنا۔عدم۔ناپید ہونا	تنگ نظری	کم حوصلگی۔کم ظرفی	بے نیاز	لاطمع۔بے غرض
بادل منڈلانا	ابر کا نمودار یا ظاہر ہونا	نسلی حد	خاندانی حد۔قبیلے کے اندر	قلیل	تھوڑا۔ذراسا
بیخ کنی	جڑ اکھاڑنا۔نیست ونابود ہونا	دُکھ سکھ	رنج وراحت۔غم وپریشانی	جلیل	بڑا۔بزرگ۔اعلیٰ
اعلیٰ قدر	اُونچا رتبہ۔بہت بزرگی	عیاری	فریب۔دغا۔چالاکی	دلنواز	محبوب۔خوش کرنے والا
سبق	پیش روی۔درس	تنقید	پرکھنا۔جانچ۔ریویو	جستجو	تلاش۔ڈھونڈنا
تعصب	حمایت۔بے جا طرف داری	دھڑکن	تڑپ۔بے قراری	رزم	لڑائی۔جنگ۔جھگڑا
جالے	وہ سفید جھلی جو مکڑی بناتی ہے	غالب	غلبہ پانے والا۔زبردست	پاکباز	صاف دل۔ایماندار
رُوپ	صورت۔شکل۔وضع	کارآفرین	کام کو پیدا کرنے والا	انوکھا	نرالہ۔سب سے الگ
غنچہ	بےکھلا پھول۔کلی	کارساز	کام بنانے والا۔خُدا	نبی	رسول۔خبر پہنچانے والا
سیوا	خدمت۔ نوکری۔ حفاظت	خاکی	خاک کی پیدائش۔مٹیالا	ولی	آقا۔زاہد۔پارسا

تخلیقی	پیدائش۔فطرتی۔سرشت	نوری	چمکیلا۔چمکدار۔روشن	رشی	خداپرست۔سادھو
جدوجہد	سعی۔کوشش۔مشقت	نہاد	اصل۔نسل۔باطن	منی	زاہد۔ریشی۔تپسی
گود	آغوش۔پہلو۔کنار	مولا	مالک۔سردار۔مددگار	مُصلح	اصلاح کرنے والا
فراغت	فرصت۔نجات۔چھٹکارہ	صفات	وصف۔خاصیتیں	زیرکرنا	قابومیں لانا۔فتح کرنا
سُلجھانا	کھولنا۔آسان ہونا	غنی	بے پروا۔بے غرض	ابدی	ہمیشہ۔زندہ رہنے والا
بگاڑدینا	ناراض کرنا۔خراب کرنا	اختیار	قابو۔بس۔حکومت	وکالت	قائم مقامی۔ضامن ہونا
شگفتہ	کِھلا ہوا۔بہت خوش	گھُلا ملا	ایک جان ہوکر۔یارانہ	دم	روح۔سانس۔اصل
یاترا	زیارت۔تیرتھ کو جانا	کارکشا	کام کھولنے والا۔خدا	مسیح	حضرت عیسیٰ کا لقب
خلاق	پیداکرنے والا۔خالق	نشرواشاعت	پھیلاؤ۔خبرمشہور کرنا	فن کار	کاریگر۔ہنرمند
برکت	زیادتی۔کثرت	علمبردار	جھنڈااُٹھانے والا	بصیرت	عقل مندی۔دانائی
طلوع	سورج طلوع ہونایعنی نکلنا	روپہلی	چاندی کا بنا ہوا۔سفید	سربفلک	اُونچے۔آسماں کے ساتھ
جمال	حُسن۔خوبصورتی	کہکشان	تاروں کا جُھرمُٹ	عظمت	بزرگی۔بڑائی
غروب	ڈوبنا۔سورج کا چُھپنا	حُسن	خوبی۔خوبصورتی۔جمال	ملکیت	جایداد۔مال واسباب
جلال	بزرگی۔شان وشوکت	ترانہ	نغمہ۔گیت	حکمت	عقل۔دانائی۔تدبیر
لرزش	رعشہ۔کپکپی۔تھرتھراہٹ	زیروبم	نیچا اور اُونچا سُر۔طبلے کے دو حصے	زبان	لِسان۔بول چال۔جیبھ
نشیمن	آرام کی جگہ۔آشیانہ	مکان	رہنے کی جگہ۔گھر۔ مسکن	زمان	وقت۔زمانہ
مشرقی	مشرق کا رہنے والا	خفا	ناراضگی۔آرزدہ	نظرباز	نیک وبد پہنچانے والا
مغربی	مغرب کا رہنے والا	بیگانے	غیر۔اجنبی۔انجان	نکوبین	اچھائی دیکھنے والا
حق	سچ۔خدا۔اللہ۔رُب	ناخوش	ناراض۔بیزار۔بیمار	کم آزار	دُکھ نہ دینے والا
ابلہ	سادہ۔نادان۔مورکھ	زہر ہلاہل	مہلک زہر۔مارنے والا زہر	تہی کیسہ	خالی جیب۔غریب
تہذیب	آراستگی۔صفائی	قند	شکر۔کھانڈ۔چینی	خرسّند	پیوند لگا کر کپڑا پہننے والا
فرزند	بیٹا۔لڑکا۔پسر	پُرسوز	دُکھ سے بھرپور۔سوزش	شانتی	امن۔آرام۔سُکھ
خرم	خوش۔شاداب	شکرخند	مسکراہٹ۔تبسم	بھگت	عابد۔پجاری۔زاہد

آزاد	بَری۔بےغم۔رستگار	شکتی	طاقت۔بل۔زور	مُکتی	نجات۔بخشش۔چھٹکارہ
دھرتی	زمین۔دنیا۔جہاں	باسی	ساکن۔رہنے والا	گویٹے	انگریزی کے مشہور شاعر
پریت	پیار۔عشق۔میل جول	شیکسپیئر	انگریزی ادب کا شاعر ڈرامانگار	ٹیگور	سنسکرت اور بنگلہ کے شاعر
ابدی نشیمن	ہمیشہ رہنے کی جگہ	کالیداس	سنسکرت کے مشہور شاعر	افلاطون	یونانی حکیم اور فلاسفر
تشکیک	شک پیدا کرنا۔اندازہ	حافظ	فارسی زبان کے مشہور شاعر	لنکن	ایک مشہور امریکی صدر
ہمدوش ثریا	بہت اُونچا مرتبہ	اقبال	اردو زبان کے مشہور شاعر	گاندھی	ہندوستان کا فلسفی لیڈر
مرکزی خیال	بنیادی اور اصلی خیال	سقراط	یونان کے ایک فلاسفر	شکرخند	مسکراہٹ۔تبسم
ہیروشیما	جاپان کا ایک شہر جس پر دوسری جنگ عظیم میں جوہری بم یعنی ایٹمی بم برسایا گیا تھا۔				
ناگاساکی	جاپان کا دوسرا شہر اس پر بھی دوسری جنگ عظیم میں ایسا ہی بم برسایا گیا تھا۔				
عشق	محبت۔پیار۔چاہت	نَے	بانسری۔نہیں۔حرف نفی	مومن	ایماندار۔ایمان لانے والا

فانی بدایونی کی غزل

شعرنمبر۱:۔ دنیا میری بلا جانے مہنگی ہے یا سستی ہے   موت ملے تو مُفت نہ لوں ہستی کی کیا ہستی ہے

تفہیم الفاظ:۔ بلا=سختی۔مصیبت۔خوفناک+مہنگی=گران۔قیمتی+سستی=کم قیمت کی۔ارزان۔گھٹیا+ہستی=وجود۔زندگی۔حقیقت +موت=قضا۔مرگ+مُفت=بے قیمت

تشریح:۔ اس شعر میں فانؔی کہتے ہیں کہ عام طور پر ہر ایک شخص موت کی شدید خواہش رکھتا ہے۔اس طرح زندگی سے بیزاری کا اظہار کرتا رہتا ہے کیونکہ انسان کی زندگی دکھوں سے بھری ہوتی ہے اور ان دکھوں سے نجات پانے کا ایک ذریعہ ہے اور وہ موت ہے اس لئے مجھے اس بات سے کوئی دل چسپی نہیں ہے کہ دنیا مہنگی ہے یا سستی ہے میں تو نفع اور نقصان کا قائل ہی نہیں ہوں مجھے تو مفت کی موت منظور نہیں۔ زندگی کی تو بات ہی نہیں ہے

شعرنمبر۲:۔ آبادی بھی دیکھی ہے ویرانے بھی دیکھے ہیں   جو اُجڑے اور پھر نہ بسے دل وہ نرالی بستی ہے

تفہیم الفاظ:۔ آبادی=بستی۔چہل پہل+ویرانے=جنگل-غیر آباد جگہ+اُجڑنا=مٹ جانا-ویران ہونا-تباہ ہونا+نرالی=عجیب وغریب -سب سے جدا-انوکھی+نہ بسے=آباد نہ ہوسکے

تشریح:۔ اس شعر میں فانؔی کہتے ہیں کہ میں نے ویرانے آباد بھی ہوتے ہوئے دیکھے ہیں۔اور بستیاں بھی اُجڑتی ہوئی دیکھی ہیں۔حالانکہ اپنے اپنے وقت پر یہ دونوں آباد بھی ہوتے ہیں۔اور اُجڑتے بھی ہیں۔لیکن اس کے برعکس دل کی بستی ایک منفرد اور انوکھی بستی ہے۔جو اگر

ایک بار اُجڑ گئی تو دوبارہ آباد نہیں ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دل کی بستی اگر ایک بار ویران اور تباہ ہوگئی تو اُسے دوبارہ بسانا بہت ہی شکل ہے۔ کیونکہ یہ دوبارہ بستی نہیں ہے۔

شعر نمبر ۳:۔ جان سی شے بک جاتی ہے ایک نظر کے بدلے میں   آگے مرضی گاہک کی ان داموں تو سستی ہے۔

تفہیم الفاظ:۔ جان = روح - زندگی - دم + شے = چیز - بست + نظر = نگاہ - آنکھ - تمیز + بک جانا = فروخت ہونا - قبضے میں آنا + گاہک = خریدار - طلب گار + دام = قیمت - مول - بھاؤ

تشریح:۔ اس شعر میں فانؔی کہتے ہیں ایک سچا عاشق اپنے محبوب کی ایک نگاہ کے بدلے میں اپنی قیمتی جان بھی قربان کرسکتا ہے۔ اور میرے نزدیک یہ سودا تو بہت ہی ستا ہے۔ کیونکہ محبوب کی ایک نگاہ کرم کے سامنے زندگی کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے اب یہ خریدار پر منحصر ہے کہ وہ اس سودا کو قبول کرے یا نہ کرے جہاں تک شاعر کا تعلق ہے وہ اس کے لئے تیار ہے۔

شعر نمبر ۴:۔ جگ سونا ہے تیرے بغیر آنکھوں کا کیا حال ہوا   جب بھی دنیا بستی تھی اب بھی دنیا بستی ہے

تفہیم الفاظ:۔ جگ = دنیا - سنسار - جہان + سونا = خالی - اُجاڑ - سنسان + حال = حالت ۔ کیفیت +

تشریح:۔ اس شعر میں فانؔی کہتے ہیں کہ اے میرے محبوب جب تمہارا دیدار مجھے حاصل ہوا۔ تو اُس وقت یہ دنیا اپنی ڈگر پر چل رہی تھی یعنی بستیاں آباد تھیں اور جب سے تم مجھ سے جُدا ہو گئے۔ مجھے یہ دنیا سونی اور اُداس لگتی ہے۔ اور میری آنکھیں تب سے تیرے دیدار کے لئے ترس رہی ہیں اور جدائی کے غم میں آنسو بہاتے بہاتے میری آنکھیں بے نور ہوگئیں ہیں۔ مگر یہ دنیا اس وقت بھی پہلے کی طرح اپنی ڈگر پر چل رہی ہے۔ یعنی آباد ہے مگر میں برباد ہوگیا۔

شعر نمبر ۵:۔ آنسو تھے سو خشک ہوئے جی ہے کہ اُمڈا آتا ہے   دل پہ گھٹا سی چھائی ہے کھلتی ہے نہ برستی ہے۔

تفہیم الفاظ:۔ آنسو = اَشک ۔ ٹسو ۔ آنکھ کا پانی جو بہتا ہے + گھٹا = ابر ۔ بادل ۔ بدلی + خشک ہونا = سوکھنا ۔ مرجھانا ۔ جھڑنا + جی اُمڈ آنا = دل کا مائل ہونا ۔ آرزومند ہونا

تشریح:۔ اس شعر میں فانؔی کہتے ہیں کہ اے میرے معشوق تمہاری جدائی اور فراق نے مجھے بہت تڑپایا اور روتے روتے میری آنکھوں کے آنسو اتنے بہے کہ اب خشک ہو چکے ہیں۔ اور دل باہر آنے کو بے قرار ہے یعنی طبیت میں کسی قسم کا ٹھہراو نہیں رہا۔ بے قراری روز بروز بڑھ رہی ہے۔ چنانچہ دل پر غم اور اُداسی کے بادل چھائے ہوئے ہیں جو کہ بالکل منجمد ہو چکے ہیں نہ وہ آسمان پر پھیلتے ہیں اور نہ جم کر بارش برساتے ہیں یعنی میری حالت بھی اسی طرح جوں کی توں لگتی ہے نہ کسی قسم کی خوشی میسر ہے اور نہ رونے کو جی چاہ رہا ہے بلکہ سکتہ کا عالم طاری ہے۔

شعر نمبر ۶:۔ دل کا اُجڑنا سہل سہی، بسنا سہل نہیں ظالم   بستی بسنا کھیل نہیں، بستے بستے بستی ہے۔

تفہیم الفاظ:۔ اُجڑنا = ویران ہونا ۔ تباہ ہونا + سہل = آسان + سہی = درست + بستی بسانا ۔ آباد کرنا

تشریح:۔ شاعر اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہتا ہے اے میرے محبوب کسی کے دل میں جگہ بنا کر پھر اُس دل کو اُجاڑنا بہت ہی آسان کام

ہے کیونکہ کسی تعمیر یا جگہ کو تباہ و بُرباد کرنا بہت ہی آسان کام ہے مگر کسی تعمیر کو بنانا پھر بنا کر اس کو بسانا ایک مشکل کام ہے۔اسی طرح کسی کو دل میں جگہ دینا یا کسی کے دل میں سما جانا تو آسان ہے اور پھر دل کو اجاڑ دینا اس سے بھی آسان ہے۔لیکن اُجڑے دل کو بسانا بہت ہی مشکل ہے بلکہ ناممکن کام ہے۔فانؔی کہتے ہیں کہ دنیا بسانا کوئی کھیل نہیں ہے اس کو بسانے میں صدیاں لگ جاتی ہیں!

شعر نمبر ۷:۔ فانؔی! جس میں آنسو کیا دل کے لہو کا کال نہ تھا ہائے! وہ آنکھ اب پانی کی دو بوندوں کو ترستی ہے۔

تفہیم الفاظ:۔لہو=خون۔دم+کال=قضا۔زمانہ کمی+ہائے=افسوس=ماتم+بوند=قطرہ۔نطفہ

تشریح:۔فانؔی اس مقطعے میں اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں اے فانؔی میری آنکھوں میں آنسوؤں کے خزانے بھرے ہوئے تھے بلکہ آنکھوں سے بہانے کے لئے دل میں خون ہر وقت موجود رہتا تھا۔مگر جب سے معشوق کی جُدائی میں ان آنکھوں نے آنسو بہانے شروع کئے اور ساتھ ساتھ خون جگر بھی کثرت سے بہایا تب سے ان دونوں چیزوں کی کمی پاتا ہوں یعنی محبوب کی جدائی میں میری آنکھیں اتنی خشک ہوگئی ہیں کہ اب یہ آنکھیں پانی کی دو بوندوں کے لئے بھی ترستی ہیں۔گویا آنکھیں بالکل خشک ہوگئی ہیں۔

سوال نمبر ۱:۔شاعر کس کی نظر کے بدلے میں اپنی جان جیسی قیمتی چیز دینا چاہتا ہے؟

جواب:۔شاعر اپنے محبوب (مرُشد) کی ایک نظر کے بدلے میں اپنی جان جیسی قیمتی چیز دینا چاہتا ہے کیونکہ پیر و مرشد کی ایک نگاہ سے انسان کی تقدیر بدل سکتی ہے اُس کی نگاہ کرم کے سامنے زندگی کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے اور یہ سودا بہت ہی ستا ہے۔

سوال نمبر ۲:۔دوسرے شعر میں دل کی بستی کو ''نرالی بستی'' کیوں کہا گیا ہے؟

جواب:۔دوسرے شعر میں دل کی بستی کو ''نرالی بستی'' اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ دنیا کی بستیاں اُجڑنے کے بعد دوبارہ بس جاتی ہیں۔لیکن دل کی بستی ایک بار اُجڑنے کے بعد دوبارہ نہیں بستی۔دنیا کی بستیاں وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اُجڑتی رہتی ہیں اور ان ویران شدہ بستیوں کو دوبارہ بسانا بھی ایک آسان اور سہل کام ہے۔اس کے برعکس دل کی بستی کو بسانا ایک مشکل ترین کام ہے۔اور پھر یہی دل کی بستی اگر محبوب کی بے اعتنائی سے ایک بار اُجڑ گئی تو اس کو دوبارہ بسانا مشکل تریں کام ہے اسی لئے یہ ایک نرالی بستی ہے۔

سوال نمبر ۳:۔تشریح کریں:۔آنسو تھے سو خشک ہوئے جی ہے کہ اُمڈ آتا ہے دل پہ گھٹا سی چھائی ہے کُھلتی ہے نہ برستی ہے۔

جواب:۔اس شعر میں فانؔی بدایونی کہتے ہیں کہ میں محبوب کی جدائی میں اتنا رویا ہوں کہ میری آنکھوں سے آنسو بھی غائب ہوگئے ہیں اور اب میرا جی بھی اُمڈ آتا ہے۔میرے دل پر بادل کی ایک گھٹا چھائی ہوئی ہے اور یہ بادل کی گھٹا اب برسنے کا نام ہی نہیں لیتی یعنی میرے دل پر اب مایوسی کا ایک بھاری بوجھ ہے جو ہلکا نہیں ہوتا ہے۔

سوال نمبر ۴:۔فانؔی بدایونی کی حیات کا تذکرہ کیجئے۔

جواب:۔ان کا نام شوکت علی خان ہے۔فانؔی تخلص ہے۔ولادت ۱۳ دسمبر ۱۸۷۹ء کو ہوئی۔آباواجداد کابل کے رہنے والے تھے۔شاہ عالم بادشاہ دہلی کے زمانے میں آپ کے جدامجد نواب بشارت خان نے ہندوستان میں سکونت اختیار کی۔موصوف صوبہ بدایون کے گورنر تھے۔

لیکن ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد کچھ بھی باقی نہ رہا۔مگر فانؔی کے والد مرحوم محمد شجاعت علی خان نے اپنی قوت اور قابلیت کے بل پر عزت اور آبرو کی زندگی بسر کی۔ چاہتے تھے اُن کا بیٹا کوئی آزاد پیشہ اختیار کرے چنانچہ فانؔی کو وکالت کے امتحان کے لئے مجبور کیا۔فانؔی نے انٹرنیس تک بدایوں میں تعلیم حاصل کی۔ بریلی کالج سے بی۔اے کا امتحان پاس کیا اس کے بعد محمڈن کالج علی گڈھ میں ایل۔ایل۔بی کی تکمیل کی۔لیکن وکالت کے پیشہ سے کوئی دل چسپی نہ تھی۔طبیعت اوائل عمر ہی سے شعروسخن کی طرف مائل تھی ۱۸۹۰ء سے ۱۸۹۸ء تک جو نام تھا وہی تخلص بھی تھا مگر ۱۸۹۹ء میں ایک حادثہ جانکاہ سے متاثر ہوکر انہوں نے اپنا تخلص فانؔی رکھا۔آپ نے تین دیوان، تین مثنویاں اور دوڈرامے لکھے مگر عدم توجہی سے وقتاً فوقتاً یہ ذخیرہ تلف ہوتا رہا۔جو کچھ باقی رہ گیا وہ ''باقیات فانؔی کے نام سے موسوم ہے۔

سوال:۔فانؔی بدایونی کی شاعری کے بارے میں ایک مختصر نوٹ لکھئے؟

جواب:۔فانؔی کی طبیعت اوائل عمر ہی سے شعروسخن کی طرف مائل تھی۔پہلی غزل ۱۸۹۰ء میں کہی تھی والد کے خوف سے کسی سے اصلاح لینے کا موقعہ نہ مل سکا۔ بلکہ اصلاح شعر کا کام آپ کو خود اُس مذاق شعری سے لینا پڑا جو آپ کی فطرت میں ودیعت تھا۔فانؔی کے کلام میں یاس وحزن وملال اس کثرت کے ساتھ ہے کہ ان کو غالب کے مقابلہ میں ایک امتیازی حیثیت دی جاسکتی ہے۔فانؔی کے کلام کی ایک خاص خوبی شدت اثر اور معنویت ہے۔ان کے دیوان کا کوئی صفحہ ایسا نہ ملے گا جس میں دو چار اشعار قابل قدر نہ مل جائیں۔فنی اعتبار سے وہ شعر کو اتنا سجاتے اور بناتے ہیں۔کہ تاثیر دوبالا ہوجاتی ہے اور موجودہ دور کے بہت کم غزل گو شعراء ان کے قریب دکھائی دیتے ہیں۔

عرش صہبائی کی غزل نمبرا

شعر نمبرا:۔کون سا وہ زخم دل تھا جو تر وتازہ نہ تھا — زندگی میں اتنے غم تھے جن کا اندازہ نہ تھا

تفہیم الفاظ:۔زخم = گھاؤ۔ناسور۔خسارہ+تر وتازہ = ہرا بھرا۔سرسبز۔بارونق+غم = دکھ۔رنج

تشریح:۔اس شعر میں عرشؔ کہتے ہیں۔کہ میں نے زندگی بھر اتنے غم سہے ہیں۔جن کا کوئی شمار ہی نہیں ہے یعنی مجھے بے اندازہ مصائب اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔جس کا مجھے وہم وگمان ہی نہیں تھا۔ابھی پچھلا زخم بھرا نہیں جاتا کہ اور نیا زخم سہنا پڑتا ہے ہر ایک زخم ابھی بھی تازہ ہے۔

شعر نمبر۲:۔ہم نکل سکتے بھی تو کیوں کہ حصار ذات سے — صرف دیواریں ہی دیواریں تھیں دروازہ نہ تھا

تفہیم الفاظ:۔دروازہ = کواڑ۔ڈیوڑھی۔ پھاٹک+ حصار = احاط۔گھیرا۔چاردیواری + ذات =ہستی۔جسم۔رُتبہ+ دیوار = اُوٹ۔ پردہ۔ اینٹ کا بنا ہوا پہلو

تشریح:۔اس شعر میں عرشؔ کہتے ہیں کہ میں نے خود اپنے آپ کو اپنے ہی وجود کے خول میں بند کیا ہے۔یعنی اپنی ذات کے اردگرد حالات کی چاردیواری کھڑی کی ہے۔اور اس چاردیواری سے باہر نکلنے کے لئے ایک بھی دروازہ کُھلا نہیں رکھا ہے۔یعنی اپنی ہی ذات کے پنجرے میں قیدی بن کے رہا۔اور جب کبھی باہر نکلنا چاہا تو نکلنے کے لئے کوئی راستہ دکھائی نہیں دیا۔

شعرنمبر۳:۔اُس کی آنکھوں سے نمایاں تھی محبت کی چمک　　　اس کے چہرے پرنئی تہذیب کا غازہ نہ تھا

تفہیم الفاظ:۔نمایاں= ظاہر۔عیاں۔آشکارا + چمک= رُوشنی۔ پھڑک۔ جھلک+ چہرا= صورت۔ مُنہ۔مکھڑا + تہذیب= آراستگی ۔ خوش اخلاقی +غمازہ=ابٹن۔خوشبودارسُرخ پوڈر

تشریح:۔عرش فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے محبوب کی آنکھوں میں محبت کا اظہار عیان دیکھا۔جس نئی تہذیب نے انسان کے اندر عیاری، چالاکی اورفریب کاری پیدا کی بلکہ سوز وگداز کی کیفیت کو بھی ختم کیا ہے۔میرے محبوب پر اس نئی تہذیب کا اثر غالب نہیں ہوا ہے۔نہ اُس نے اپنے چہرے کو بناوٹی اور مصنوعی غازے سے دنیا کو دھوکا دینے کے لئے رنگ لیا ہے۔ بلکہ اُس کی آنکھوں سے صاف اُس کے دل کی حالت عیاں تھی اُس کے اندر محبت کا جذبہ ابھی مرا نہیں اور رسم الفت سے بے گانہ بھی نہ ہو چکا ہے بلکہ آنکھوں سے محبت آشکار ہے۔

شعرنمبر۴:۔ عرشؔ اُن کی جھیل سی آنکھوں کا اس میں کیا قصور　　　ڈوبنے والوں کو گہرائی کا اندازہ نہ تھا

تفہیم الفاظ:۔ جھیل= تالاب، ۔ڈل+قصور= خطا۔تقصیر+ گہرائی= نشیب۔عمیق+اندازہ= تخمینہ

تشریح:۔اس شعر میں عَرش اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اے عرشؔ میرا محبوب اتنا پُرکشش ہے کہ جو کوئی بھی اُس کی آنکھوں کی طرف دیکھتا ہے تو وہ اِن آنکھوں میں ڈوب جاتا ہے۔لہذا میرے معشوق کی جھیل سی گہری آنکھوں میں اگر کوئی ڈوب جاتا ہے تو اُس میں میرے محبوب کا کوئی قصور نہیں ہے۔ بلکہ ڈوبنے والے کی اپنی غلطی ہے کہ اُسے ان کی گہرائی کا اندازہ ہی نہیں تھا۔

﴿غزل نمبر۲﴾

شعرنمبر۱:۔ہرایک رنگ میں کاٹیں گے ہم سزا ہی سہی　　　یہ زندگی کسی مفلس کی بددعا ہی سہی

تفہیم الفاظ:۔ رنگ: روپ۔رنگت۔روغن+کاٹیں گے:بسر کرنا۔طے کرنا۔گزاریں گے+سزا:بدلہ۔عوض۔قید۔جُرمانہ+ سہی: ٹھیک۔بجا۔درست +مفلس: غریب محتاج۔نادار+ بددُعا: بُری دعا۔کُوسنا۔

تشریح:۔ اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ کسی غریب نے جیسے میرے حق میں بددعا کی ہے کہ میری زندگی کی حالت بھی ویسی ہی ہو جیسے اُس کی زندگی ناداری اور مفلسی میں گزر رہی ہے چلئے یہی سّہی ! مجھے جس طرح کی بھی زندگی گزارنی پڑے۔ میں ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرونگا۔کیونکہ جب انسان پر مصائب کا نزول پے در پے ہوتا ہے۔تو وہ اُن کا عادی ہو جاتا ہے تو پھر اُسے ان سے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی ہے۔

شعرنمبر۲:۔ نہ اس کو بھول کہ میں نے تجھے کیا تخلیق　　　یہ بات اور ہے تو وقت کا خدا ہی سّہی

تفہیم الفاظ:۔بھُولنا: فراموش کرنا۔یاد نہ رہنا۔غافل ہونا +تخلیق: پیدا کرنا۔بنانا+ وقت کا خدا: حاکم وقت۔مختار

تشریح:۔ عرشؔ فرماتے ہیں کہ جب انسان پیدائش کے مراحل سے گزر کر جوانی کی دہلیز پر پاؤں رکھتا ہے تو وہ غرور اور گھمنڈ کرنے لگتا ہے۔کہ وہ اپنے آپ ہی یہاں تک پہنچا ہے اور وہ فرعون اور نمرود کی طرح تکبر کرتا ہے اور خود کو خدا سمجھنے لگتا ہے وہ بھول جاتا ہے کہ اصل میں اُسے خدائے ذوالجلال نے پیدا کیا ہے۔اور اُسی پروردگار نے تجھے زندگی کی نعمتوں سے سرفراز کیا ہے۔

شعر نمبر۳:۔ یہی بہت ہے کہ مجھ پر تیری توجہ ہے تیری نگاہ کا انداز دوسرا ہی سہی

تفہیم الفاظ:۔ توجہ: خیال۔لحاظ۔رغبت+نگاہ:نظر۔آنکھ۔توجہ+انداز:طرز۔ڈھنگ۔حد۔طور

تشریح:۔ عرش اس شعر میں فرماتے ہیں کہ اگر چہ نہ میں اپنے محبوب کے اشاروں کو سمجھ سکتا ہوں نہ اس کے دلی ارادوں سے آگاہ ہو سکتا ہوں۔پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ میرا محبوب بے تکلف میری طرف دیکھے یعنی اے میرے محبوب میں تیری نگاہ التفات کا آرزومند ہوں لیکن تو میرا صبر وقرار آزمانے کے لئے مجھ سے تغافل کرر ہا ہے۔یعنی کچھ اس انداز سے دیکھ رہا ہے۔جس کا میں طلب گار نہیں ہوں لیکن میرے لئے یہ بھی بہت خوشی کا مقام ہے کہ آپ کی توجہ میری طرف مبذول ہو رہی ہے اگر چہ تیری نگاہوں کے انداز کچھ اور کہہ رہے ہیں میرے لئے یہی بہت بڑی دولت ہے۔

شعر نمبر۴:۔ وہ میری روح میں تحلیل ہو چکا ہے عرش اگر وہ مجھ سے جدا ہے چلو جُدا ہی سہی

تفہیم الفاظ:۔ روح: آتما۔جان۔امر الٰہی تحلیل: حل ہونا۔گھلانا جُدا: الگ۔علٰحیدہ چلو:نکلو۔ہاں

تشریح:۔ اس شعر میں شاعر اپنے آپ سے مخاطب ہو کر وحدت الوجود کے تصور کی عکاسی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ یعنی خدا کی ذات میری رُوح میں تحلیل ہو چکی ہے۔یعنی مجھ سے وہی ظاہر ہو رہا ہے۔اس اعتبار سے وہ میری روح ہے مگر بحیثیت ذات میں اس سے جُدا ہوں یا وہ مجھ سے جُدا ہے یعنی وہ واجب ہے اور میں ممکن ہوں۔اس کا وجود حقیقی ہے اور میرا وجود اضافی ہے میرا وجود حقیقی نہیں ہے بلکہ ظلی ہے اس لئے اس اعتبار سے میں اُس سے جُدا ہوں اور یہی حقیقت ہے۔

سوال نمبر ا:۔ عرش صہبائی کی حیات اور شاعری پر نوٹ لکھئے؟

جواب:۔ آپ کا نام ہنس راج ابرول اور عرش صہبائی تخلص ہے۔آپ کی پیدائش ۶ ستمبر ۱۹۳۰ء کو تحصیل اکھنور کے ایک گاؤں سہری پلائی میں ہوئی۔میٹرک پاس کرنے کے بعد مزید تعلیم حاصل نہ کر سکے اور ریڈیو کشمیر جموں میں ملازمت اختیار کی۔آپ نے اپنی شاعری زندگی کا آغاز ۱۹۴۸ء سے کیا اور اُردو کے مشہور شاعر جوش ملسیانی سے مشورہ سخن کرتے رہے۔آپ نے اکثر اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔لیکن آپ کی شعری تخلیقات کا زیادہ تر حصہ غزلوں پر مشتمل ہے۔اُن کی شعری مجموعی ''شگفت گل'' پر ریاستی کلچرل آکادمی کی طرف سے ۱۹۶۱ء کا انعام ملا۔عرش نے شاعری تو روایتی انداز کی شروع کی تھی۔لیکن آگے چل کر بعض موقوں پر عصری مسائل کا بھی احاطہ کیا ہے۔ ان کی زبان صاف اور روان ہے۔سادگی ان کے کلام کا خاص جوہر ہے۔نثر میں ان کی تین کتا میں ''انجم کدہ''۔''یہ جانے پہچانے لوگ'' اور''اُردو شعراء کے تذکرے'' شائع ہو چکی ہیں۔بعد میں اور دو شعری مجموعے ''شکست جام'' اور ''صلیب'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں اور داد و تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

سوال نمبر۲:۔ شاعر نے حصار ذات سے نکل نہ سکنے کی کیا وجہ بتائی ہے۔؟

جواب:۔ انسان جب اپنی ذات میں کھو جاتا ہے۔یعنی اپنے وجود کے خول میں قید ہو جاتا ہے کیونکہ جب وہ اپنے ارد گرد پھیلے ہوئے ماحول کو پسند نہیں کرتا اور لاکھ کوشش کرنے کے باوجود اس کو بدل نہیں سکتا ہے تو پھر اس سے فرار حاصل کرنے کے لیئے اپنے آپ میں کھو

جاتا ہے۔اپنے اردگرد ہونے والے ناپسندیدہ واقعات اُسے پھر متاثر نہیں کرتے ہیں۔یہی سب سے بڑی وجہ ہے۔جو شاعر کے ذہن میں کھٹکتی ہے کہ خود انسان اپنے اردگرد ایسے حالات کی چار دیواری کھڑا کرتا ہے۔خود کو ایسے طریقے سے قید کرتا ہے کہ اس ماحول سے باہر نکلنے کے لئے کوئی دروازہ کھلا نہیں رکھتا ہے۔لہذا حصارِ ذات سے نکل نہیں پاتا ہے اور اس طرح اس ماحول کے ہاتھوں گھٹ گھٹ کر مر جاتا ہے۔

سوال نمبر۳:۔ دوسری غزل کے مقطع کی تشریح کیجئے۔؟

جواب:۔ عرش صہبائی غزل کے مقطع میں فرماتے ہیں کہ میرا محبوب میری روح اور جان میں سرایت کر چکا ہے۔اگر وہ بظاہر اس وقت مجھ سے دور ہے تو اس بات کی مجھے کوئی پرواہ نہیں کیونکہ وہ میرے بہت قریب ہے یعنی اُس کا وجود حقیقی ہے میرا وجود حقیقی نہیں ہے بلکہ ظلی ہے۔

﴿اکبر جے پوری کی غزل﴾

سوال:۔اکبر جے پوری پر ایک مختصر نوٹ لکھیں۔؟

جواب:۔ آپ کا نام سید محمد اکبر اور تخلص اکبرؔ ہے۔ادبی حلقوں میں اکبرؔ جے پوری کے نام سے جانے جاتے ہیں۔آپ کی ولادت ۲۳ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو جے پور راجستھان میں ہوئی تھی۔والد کا نام آغا سید علی عابدی تھا۔اکبرؔ جے پوری پیشے سے معلم تھے۔آپ کا ادبی سفر بیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں اُن کے وارِدِ کشمیر ہونے سے پہلے ہی شروع ہوا تھا۔غزلوں کے علاوہ اکبر جے پوری نے حمد،نعت،مدح اور رثائی نظمیں بھی لکھی ہیں۔بنیادی طور پر وہ رومانی شاعر تھے۔''شمع فروزاں''،شباب وطن''،''سازشکستہ''،فکروخیال اور فکروفن آپ کے شائع شدہ شعری مجموعے ہیں۔چمن زار اور بچوں کے لئے نظموں کا مجموعہ ''شگوفے'' ان کی وفات کے بعد شائع کئے گئے ہیں۔آپ ۴ مارچ ۱۹۹۸ء کو سرینگر کے حسن آباد رعناواری علاقے میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔آپ کو بچپن سے ہی شاعری کا شوق تھا۔آپ کی غزلوں میں عصری کرب کی تصویر نمایاں تھی۔دراصل آپ کے سینے میں ایک دردمند دل تھا۔

غزل نمبرا:۔ شعر نمبرا:۔کس کو معلوم ملے خاک میں منظر کتنے   **اپنے آئینے چھپائے ہیں سکندر کتنے**

تفہیم الفاظ:۔ خاک=مٹی۔گرد۔راکھ + منظر=نظارہ۔نظر کی جگہ + آئینہ= درپن۔آرسی۔دیکھنے کا شیشہ۔

تشریح:۔اس شعر میں اکبرؔ جے پوری فرماتے ہیں کہ یہ بات کسی کو معلوم نہیں ہے کہ آج تک کتنے لوگ زمین کے اندر سو چکے ہیں یعنی دفن کئے گئے ہیں اور نہ کسی کو یہ معلوم ہے کہ سکندرِ اعظم جیسے کتنے بہادر اور اولعزم بادشاہ اس زمین نے اپنی مٹی میں ملا دیئے ہیں۔

شعر نمبر ''ب'' تشنہ لب ترسا کئے پیاس لئے آنکھوں میں   **اور محلوں میں چھلکتے رہے ساغر کتنے**

تفہیم الفاظ:۔ تشنہ لب=نہایت ہی پیاسا۔ناکام + ترسنا= خواہش مند ہونا۔کسی چیز کا بھوکا ہونا + پیاس= پانی پینے کی خواہش۔ تمنا۔آرزو + محل= عالی شان گھر+ چھلکنا= پانی کا گرنا+ساغر=شراب کا پیالہ۔جام۔

تشریح:۔ اس شعر میں اکبرؔ جے پوری فرماتے ہیں کہ غریب لوگ دنیا میں پانی کی ایک ایک بوند کے لئے ترستے رہتے ہیں اور پانی کی آس میں ہی جان دے دیتے ہیں۔جبکہ اس کے برعکس محلوں میں رہنے والوں کو ہر قسم کا سکھ اور عیش میسّر ہوتا ہے اور وہ شراب اور شباب کی مستیوں میں زندگی گزارتے ہیں اور ہر قسم کے عیش میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔

شعر نمبر ''ج'':۔ پرچم امن لئے پھرتے ہیں شہروں شہروں   **آستینوں میں چھپائے ہوئے خنجر کتنے**

تفہیم الفاظ:۔ پرچم= جھنڈا + امن= پناہ۔چین+آستین=کرتے قمیص وغیرہ کی بانہہ+خنجر=ایک قسم کا چھُرا

تشریح:۔ اس شعر میں اکبرؔ جے پوری فرماتے ہیں کہ قوم دشمن اور بدعنصر امن کے پرچم لئے شہر شہر اور گاؤں گاؤں جاتے رہتے ہیں اور زبانی کہتے رہتے ہیں کہ ہم امن،اتحاد اور رواداری کے خواہاں ہیں لیکن اصل میں یہی لوگ خون خرابہ کرتے ہیں اور بدامنی پھیلاتے رہتے ہیں وہ جہاں بھی جاتے ہیں اپنی آستینوں میں خنجر چھپائے ہوئے پھرتے ہیں اور فتنہ وفساد بھڑکاتے رہتے ہیں۔

شعر نمبر''د'':۔ کس طرح دیتا صدا مجھ کو پتہ یاد نہ تھا   یوں تو بستی میں نظر آئے کھلے در کتنے

تفہیم الفاظ:۔ صدا = آواز۔ آہٹ + پتہ = ٹھکانہ۔ نشان۔ سراغ + بستی = آباد جگہ + در = دروازہ

تشریح:۔ اس شعر میں اکبر جے پوری فرماتے ہیں کہ میں گلی گلی تلاش کر رہا تھا کہ مجھے کوئے رہبر یا رہنما مل سکے جو اس بستی کے لوگوں کو پستی سے نکال دے اور فتنہ پروروں کی فتنہ انگیزیوں سے نجات دلا سکے میں اُس کو ڈھونڈتا رہا مگر مجھے اُس کا پتہ معلوم نہیں تھا تو آواز دیتا تو کس کو دیتا۔ اگرچہ میں نے اس بستی میں کئی دروازے کھُلے دیکھے مگر میں اُس کو پا نہ سکا اور نہ کسی نے میری آواز کی طرف دھیان دیا۔

شعر نمبر''ہ'':۔ دیکھ کر تشنہ لبی میری تعجب نہ کرو   میں نے صحراؤں کو بخشے ہیں سمندر کتنے

تفہیم الفاظ:۔ تشنہ لبی = نہایت پیاسا۔ مایوس + تعجب = انوکھا پن + صحرا = ریگستان۔ بیابان

تشریح:۔ اس شعر میں اکبر جے پوری فرماتے ہیں کہ میری اس تشنہ لبی کو دیکھ کر آپ لوگ حیران نہ ہوں اور اس بات پر تعجب نہ کرو۔ کیونکہ میں نے کئی ویران ریگستانوں کو پانی سے سیراب کیا ہے۔ یعنی میں ہمیشہ اُمن وامان کا حامی رہا۔ لیکن کوئی بھی شخص میری بات سننے کے لئے تیار نہ تھا۔ لیکن پھر بھی میں نے امن وامان کا پرچار کیا ہے۔

سوال نمبر ا:۔ امن کا پرچار کرنے والوں کی آستینوں میں کیا چھپا ہوا ہے؟

جواب:۔ اصل مین امن کا پرچار کرنے والے قوم کے بدعنصر ہوتے ہیں وہ امن کے پرچم لئے شہر شہر اور گاؤں گاؤں جاتے رہتے ہیں کہ وہ امن کے خواہاں ہے لیکن اصل میں وہ اپنی آستینوں میں خنجر چھپائے ہوتے ہیں اور فتنہ وفساد بھڑکاتے ہیں۔

﴿ہمدم کاشمیری کی غزلیں﴾

غزل نمبر ا:۔ ایسا نہیں کہ سر پہ سدا آسمان تھا   میرا بھی شہر میں کبھی کوئی مکان تھا

تفہیم الفاظ:۔ سدا = ہمیشہ + آسمان = آکاش۔ فلک + شہر = بڑی آبادی + مکان = رہنے کی جگہ

تشریح:۔ اس شعر میں ہمدم کشمیری اپنی بے بسی اور بے سروسامانی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہماری حالت ایسی نہیں تھی یعنی ہم ہمیشہ سے بے سروسامان اور بے گھر نہ تھے بلکہ شہر میں ہمارا مکان بھی تھا اور ہمارا نام بھی شہر کے امیروں میں شمار ہوتا تھا۔ ہمارا نام تھا۔ وقار اور مان تھا اپنا نشمین تھا ہم پہلے ہی سے کھُلے آسمان کے تلے بے یار و مددگار نہ تھے۔

شعر نمبر ۲:۔ اس روشنی کے شہر میں ظلمت کرے گی راج   مجھ کو یقین تھا نہ تجھے ہی گمان تھا

تفہیم الفاظ:۔ ظلمت = تاریکی۔ اندھیرا + راج = حکومت۔ بادشاہت + یقین = اعتبار + گمان = خیال۔ ظن

تشریح:۔ اس شعرے میں ہمدم کشمیری اپنی ریاست کی بگڑی ہوئی حالت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں ہمارا کشمیر روشنی کا گہوارہ تھا یہ پریم، آشتی، رواداری اور امن کا ملک تھا۔ یہ نہ مجھے یقین تھا اور نہ تمہارا خیال تھا بلکہ کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ہمارے ملک میں انصاف اور مساوات کے ساتھ ساتھ پوری انسانیت کا جنازہ نکالا جائے گا اور یہاں لٹیروں کا راج ہوگا اور ہر گھر فتنہ اور فساد کی آماجگاہ ہوگا۔

شعر نمبر۳:۔ دھویا نہیں گیا جو کسی برشگال میں   میری زمین پر وہ لہو کا نشان تھا

تفہیم الفاظ:۔ برشگال = بارش۔ برسات+لہو=خون ۔لُو ہو کا مخفف+نشان = آثار۔پتا۔

تشریح:۔ اس شعر میں ہمدم کشمیری فرماتے ہیں کہ ہماری سرزمین پر اُن شہیدوں کا مقدس خُون گرا پڑا ہے جنھوں نے وقت وقت پر اپنے ملک کے لئے خون بہایا ہیں جس کے نشان ملک کی ہر گلی اور سڑک پر موجود ہیں جو ہمیشہ تازہ رہیں گے اور کبھی نہ مٹیں گے اگر چہ ہزار بار بارش اور برسات کے پانی نے ان کو مٹانے کی کوشش کی مگر وہ ان مٹ نقوش ثابت ہوئے۔

شعر نمبر۴:۔ ہمدم کو چپ لگی ہے زمانہ گزر گیا   اس شہر خامشی میں وہ صاحب اذان تھا

تفہیم الفاظ:۔ ہمدم=عبدالقیوم نامی ایک شاعر کا تخلص ۔رفیق+چُپ لگانا=سکوت اختیار کرنا+زمانہ=عرصہ۔مدت+گزر گیا=نکل جانا۔ چلا جانا+خامشی=سکوت+صاحب اذان=آواز اٹھانے والا

تشریح:۔ اس شعر میں ہمدم کشمیری کہتے ہیں کہ ہمارا شہر کچھ اس قدر بدل گیا کہ پہچانا نہیں جاتا ہے یہ شہر خاموشاں ہے کوئی کل سیدھی نہیں ہے اصول پسندی کے بجائے ہماری قوم میں طرح طرح کے اختلاف اور انتشار نے جنم لیا ہے اور ایک عرصہ ہوا ہے کہ ہمدم کشمیری خاموش ہو گئے ہیں ورنہ وہی ایک ایسا شخص تھا کو اس کے خلاف آواز اٹھاتا مگر اس نے خاموشی اختیار کی ہے

غزل نمبر۲

شعر نمبر۱:۔ایک بھی موسم میرے اندر نہ تھا   اور آنکھوں میں کوئی منظر نہ تھا

تفہیم الفاظ:۔ موسم = رت۔سماں۔وقت+منظر=نظر کی جگہ،نظر پڑنے کی جگہ۔سیر گاہ۔سماں

تشریح اس شعر میں ہمدم کشمیری فرماتے ہیں کہ میری زندگی ہمیشہ ایک جیسی رہی ہے۔میری زندگی میں کبھی بھی کوئی تغیر یا تبدیلی نہیں ہوئی یعنی میں موسموں کو بدلتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔مطلب یہ ہے کہ میری زندگی ہمیشہ ایک ہی ڈگر پر رہی ہے میں نے اِدھر اُدھر جانے کی کوئی کوشش نہیں کی کیونکہ میری آنکھوں کے سامنے کوئی ایسا دلکش نظارہ نہ تھا اور نہ کوئی سیر گاہ تھی۔

شعر نمبر۲:۔ میرے دائیں بائیں تھیں پرچھائیاں   میرے ہاتھوں میں کوئی پتھر نہ تھا

تفہیم الفاظ:۔ پرچھائیاں = چھاؤں۔سایہ۔عکس+پتھر= سنگ۔بھاری چیز۔وزنی

تشریح:۔ اس شعر میں ایک تعجب خیزی کا عمل کارفرما ہے۔ایک طرف تو شعری کردار کے طور پر کہا گیا کہ دائیں بائیں پرچھائیاں ہیں۔اور دوسری جانب کہا گیا ہے کہ میرے ہاتھ میں کوئی پتھر نہیں تھا۔مطلب یہ ہے کہ اگر چہ اس درخت کے سائے میں میں نے زندگی کی بہاریں گزاری ہے اور اس کے سائے میں راحت محسوس کی تو پھر میں کیسے اس پر پتھر سے وار کرتا۔میں کیسے اس کے خلاف ہو جاؤں جس نے مجھے زندگی بخش ہوائیں اور پرچھائیاں دیکر دھوپ سے محفوظ رکھا۔

شعر نمبر۳:۔ خواب اپنے کیا حقیقت ہو گئے   لمس کیسا تھا اگر پیکر نہ تھا

تفہیم الفاظ:۔ خواب = سپنا۔وہ ماجرا یا منظر جو انسان نیند میں دیکھے+لمس = کسی چیز کو ہاتھ لگانا۔چُھونا۔چھُو کر معلوم کرنے کی قوت+

حقیقت = اصل ۔ جڑ ۔ سچائی + پیکر = شکل ۔ صورت ۔ چہرہ ۔

تشریح:۔ اس شعر میں ہمدم کشمیری کہتے ہیں کہ میرے خوابوں نے حقیقت کا روپ پالیا ہے ۔یعنی جو میں نے دیکھا اور پایا بظاہر حقیقت نہیں مگر حقیقت سی معلوم ہوتی ہے وہ خواب میں کسی پیکر کو چھُو کر کہتے ہیں کہ وہ لمس کیسا تھا ۔جس کو میں نے خواب میں دیکھا ۔اور چھو کر محسوس کیا اُس کی مہک ابھی تک میرے پاس ہے اگر چہ پیکر موجود نہیں ہے ۔

شعر نمبر۴:۔ **چھا گیا تھا شہر پر افسوں کوئی　　　　چاند جب نکلا کوئی چھت پر نہ تھا**

تفہیم الفاظ:۔ افسوں = جادو ۔ منتر + چھا گیا = پھیل گیا ۔ سایہ کرنا ۔ عکس پڑنا + چھت = سائبان ۔ ٹاپاؤ

تشریح:۔ اس شعر میں ہمدم کشمیری فرماتے ہیں کہ شہر کی حالت کچھ ایسی ہوگئی ہے ۔ ہر طرف ایک قسم کا سناٹا اور سکوت سا چھا گیا تھا ۔ گویا کسی نے جادو ٹونا کیا ہے سبھی خاموش ہوئے ہیں حالانکہ جب چاند طلوع ہوا تو اُس کو دیکھنے کے لئے کوئی بھی شخص چھت پر نہیں آیا ۔

شعر نمبر۵:۔ **ایک صدا گونجی مکاں میں دیر تک　　　　کیا تھا یہ ہمدم کوئی در پر نہ تھا**

تفہیم الفاظ:۔ صدا = آہٹ + گونجی = آواز کا چکرانا ۔ شور و غل ہونا + ہمدم = رفیق ۔ یار + در = دروازہ

تشریح:۔ اس شعر میں ہمدم کشمیری فرماتے ہیں کوئی ایک آواز جو میرے مکان میں بہت دیر تک گونجتی رہی پتہ نہیں یہ آج وہاں کس کی آواز ہے جو وہاں بہت دیر تک گونجتی رہی ۔ اور شاعر اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اے ہمدم یہ آواز کیا ہے اور کس کی ہے ۔ اگر چہ میرے قلب و ذہن میں جہاں کوئی شعوری دوست رہتا ہے ۔لیکن جب دروازے پر میری نظر پڑی تو کوئی دکھائی نہ دیا ۔ لہذا یہ اپنی اندر کی آواز ہے جو اندر ہی سے روح کو محسوس ہوتی رہی اگر چہ بظاہر دروازے پر کوئی دکھائی نہ دے رہا ہے پھر بھی آواز ہے تو یہ ضمیر کی آواز ہے ۔

سوال نمبر ا:۔ **پہلی غزل کا دوسرا شعر پڑھکر بتائے کہ شاعر کو کس چیز کا گمان نہیں تھا ۔؟**

جواب:۔ پہلی غزل کا دوسرا شعر پڑھکر یہ بات اصل میں سمجھ میں آتی ہے کہ شاعر کو اس چیز کا نہ تو گمان تھا اور نہ یقین کہ ہمارے شہر سے انصاف ، برادری ، رواداری ، مہمان نوازی ، بھائی چارہ اور اخوت جیسی چیزوں کا جنازہ نکالا جائے گا ۔ اور یہاں چور اُچکے اور لٹیرے حکومت کریں گے ہر طرف ناانصافی اور جہالت کا بول بالا ہوگا ۔ اور اس بھائی چارے اور انصاف پرور شہر سے روشنی ختم ہوگی اور ہر طرف ظلمت کا راج ہوگا ۔

سوال نمبر۲:۔ **صنعت تضاد سے کیا مراد ہے ۔ ہمدم کشمیری کی دونوں غزلوں میں صنعت تضاد والے اشعار تلاش کیجئے ۔**

جواب:۔ صنعت تفاد (ANTITHESIS) :۔ کسی شعر میں دو یا دو سے زاید ایسے الفاظ جو معنی کے اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد ہوں کالانا صفت تضاد کہلاتا ہے جیسے دن رات ، صبح شام ، اچھا بُرا اور آنا جانا وغیرہ وغیرہ

درد منت کش دوا نہ ہوا　　　　میں نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا = اس شعر میں ''اچھا'' اور ''برا'' صنعت تضاد ہے

طولِ غم حیات سے گبھرا نہ اے جگر　　　　ایسی بھی کوئی شام ہے جس کی سحر نہ ہو = اس شعر میں ''شام'' اور ''سحر'' تضاد ہے

ہمدم کاشمیری کی دونوں غزلوں میں صنعت تضاد والے شعر مندرجہ ذیل ہیں ۔

ا:۔ اس روشنی کے شہر میں ظلمت کرے کی راج　　مجھکو یقین تھا نہ تجھے ہی گمان تھا + اس شعرے میں روشنی ۔ظلمت + یقین ۔گمان

ب:۔ خواب اپنے کیا حقیقت ہو گئے　　لمس کیسا تھا اگر پیکر نہ تھا + اس شعر میں خواب ۔حقیقت +

سوال نمبر۳:۔ تشریح کریں:۔ چھا گیا تھا شہر پر افسوں کوئی　　چاند جب نکلا کوئی چھت پر نہ تھا

جواب:۔ شاعر اس شعر میں عصری کرب کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے شہر میں کچھ ایسی خاموشی چھا گئی ہے جس سے محسوس ہوتا ہے کہ یہاں کے مکینوں پر کسی نے کوئی جادو کیا ہے اور اسی لئے سبھی لوگ یوں بے حس اور غافل پڑے ہوئے ہیں اور جیسے جادو کے اثر نے ان کو نیم مردہ کیا ہے ان میں زندگی کی کوئی رمق دِکھائی نہیں دے رہی ہے شاعر کو اس بات کا احساس تب ہوا جب اس بستی میں چاند نکلا اُس نے اپنی روپہلی روشنی سے سارے جہاں کو چمکایا مگر اس بستی میں رہنے والوں میں سے کوئی بھی ایسا شخص نہیں تھا جو اس حقیقت کا سامنا کرنے کے لئے اپنے چھت پر آجاتا لیکن غلاموں کی اس بستی میں رہنے والے لوگ حقائق پر کم ہی توجہ دیتے ہیں اگر چہ حقائق کا سامنا کرنے کے لئے زندگی میں انسان کو کتنے ہی تلخ گھونٹ اپنے حلق سے نیچے اُتارنے پڑتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ حقائق سے چشم پوشی ہی قوموں کو بے حسی اور بزدلی پیدا کر کے انہیں دوسروں کے رحم وکرم پر زندگی گزارنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ حقائق کو نظر انداز کرنے کے اسی بجاں کی وجہ سے غلاموں کی اس بستی میں پلنے والے انسان خالص اپنے اغراض ومقاصد کا دیوانہ بن کر جینے پر بضد ہے۔ نتیجاً آج پوری بستی معاشی بدحالی، سماجی ہلچل، ذہنی کشیدگی اور بے حسی و بزدلی جیسی بیماری میں مبتلا ہے۔

سوال نمبر۴:۔ ہمدم کاشمیری کی غزل گوئی پر مختصر نوٹ لکھئے؟

جواب:۔ ہمدم کاشمیری کا نام عبدالقیوم خان اور تخلص ہمدم ہے۔ آپ کی ولادت ۱۵ اپریل ۱۹۳۷ء کو شہید گنج سرینگر میں ایک متوسطہ گھرانے میں ہوئی۔ والد کا نام نور محمد خان تھا جو پیشے سے تاجر تھے۔ ہمدم کشمیری اردو کے ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ انہوں نے شعر گوئی کا آغاز ۱۹۵۸ء میں کیا۔ ''دھوپ لہوکی'' آپ کی غزلوں کا پہلا مجموعہ ۲۰۰۳ء میں شائع ہوا ہے۔ آپ نے نعتیں اور نظمیں بھی کہی ہین لیکن غزل آپ کی محبوب ترین صنف ہے۔ آپ ایک معتبر غزل گو ہیں۔ غزل کی خوبی یہی ہے کہ اس میں شاعر اپنی ذاتی اور اجتماعی زندگی کے تمام تجربات کو شعوری اور لاشعوری طور پر اپنی ذات میں سمیٹ کر اپنی تخلیقی تجربات میں اظہار کرے۔ اور یہ چیز ہمدم کاشمیری کے یہاں بہت ساری غزلوں میں نظر آتی ہے۔

''ڈراما'' (DRAMA)

اُردو نثری اصناف میں ڈراما ایک اہم ترین صنف ہے۔ ڈراما یورپی اقوام کی دین ہے۔ اس کی ابتداء یونان میں ہوئی۔ ڈراما یونانی زبان کے لفظ ''ڈراؤ'' سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں ''کرکے دکھانا'' اسی لئے ڈراما ایک نقالی ہے جو حرکت (عمل) اور تقریر (مکالمہ) کے وسیلے سے کی جاتی ہے۔ یونان سے ڈراما رومیوں اور اُن سے دوسری یورپین اقوام کے یہاں پہنچا۔ انگریزی میں شیکسپیئر سے بڑھکر آج تک کوئی ڈراما نگار پیدا نہیں ہوا ہے۔ انگریزی سے ڈراما کی صنف اردو میں آئی۔ ہندوستان میں ڈراما جیسی چیز ''ناٹک'' کا رواج ہندوستان میں بہت پہلے سے تھا۔ لیکن اس کو مکمل طور سے ڈراما نہیں کہہ سکتے ہیں۔ اردو ڈرامے کی تاریخ میں واجد علی شاہ کو پہلا

ڈراما نگار مانا جاتا ہے۔ڈرامے کا تعلق کر کے دکھانے سے ہے اس لئے اس میں سٹیج بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔چونکہ ڈراما تماشائیوں کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔اس لئے اُن کی نفسیات کا خیال بھی رکھنا ضروری ہے۔ڈرامے کے اجزا مندرجہ ذیل ہیں۔ ا:۔کہانی ب:۔پلاٹ ج:۔مکالمہ د:۔کردار۔ ہندوستان اور یونان میں ڈرامے نے کئی صورتیں اختیار کیں اور مختلف مراحل طے کیے۔موجودہ ڈراما کئی مراحل طے کرنے کے بعد ہم تک پہنچا ہے۔موجودہ ڈراما کی اقسام مندرجہ ذیل ہیں۔ ا:۔المیہ ب:۔طربیہ ج:۔سوانگ د:۔میلو ڈراما ہ:۔ڈریم و:۔مخلوط ڈراما ز:۔یک بابی ڈراما ح:۔نشری ڈراما + ڈراما کے ذریعے آج کے ڈرامانویس آج کی زندگی 'سوچ' انسان کے دکھ درد اور سماج پر طنز بھی کرتے ہیں۔گویا ڈراما آج کل زندگی پر محیط ہے۔کوئی چیز ایسی نہیں ہے۔جس کو ڈراما پیش نہ کر سکے۔آج کل ریڈیائی ڈراموں نے کم وقت میں زندگی کے گونا گوں مسائل کو پیش کرنے کی صلاحیت مہیا کی ہے۔اب ٹیلی ویژن نے ٹیلی پلے کی شکل میں ڈرامے کو نئی جہت سے آشنا کیا۔

محمد عمر نور الٰہی

یہ قلمی نام دو اشخاص کے ناموں کا مرکب ہے۔ایک صاحب زادہ محمد عمر اور دوسرا منشی نور الٰہی ہے۔ محمد عمر ۱۳۰۰ھ جموں میں پیدا ہوئے۔رنبیر سنگھ ہائی اسکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور مزید تعلیم کے لئے لاہور کے فارن کرسچن کالج میں داخلہ لیا۔ منشی نور الٰہی سے تھوڑی شناسائی ہو چکی تھی۔لاہور کے قیام نے تعلقات کو مزید مستحکم کیا۔اور یہ دوستی اتنی بڑھی کہ منشی کے بڑے بھائی میاں فضل الٰہی کی بیٹی سے آپ کی شادی ہوئی اور انہی کی سفارش سے ان کو جموں وکشمیر ہائی کورٹ میں مترجم کے عہدے پر فائز کیا گیا۔تعلیمی سفر کو آگے بڑھانے کا سلسلہ جاری رکھا۔اور منصفی کا امتحان پاس کیا۔گیارہ سال تک بطور جج مختلف عہدوں پر کام کرتے رہے۔آخر کار ۱۹۴۶ء میں انتقال کیا۔

منشی نور الٰہی کی پیدائش ۱۸۸۳ء کو لاہور میں ہوئی۔میٹرک کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔کرکٹ کے بہترین کھلاڑی تھے۔مہاراجہ پرتاب سنگھ نے اُن کے کھیل سے متاثر ہو کر انھیں اپنی ٹیم میں شامل کر کے ریاست کشمیر میں بلا لیا۔ اور یہاں ملازمت مل گئی۔اور ترقی کرتے کرتے ڈپٹی کمشنر کے عہدے تک جا پہنچے۔ان کا انتقال ۱۷ اپریل ۱۹۳۵ء کو لاہور میں ہوا۔ محمد عمر اور منشی نور الٰہی کو اگر چہ ملازمت کے دوران ایسے موقعے بہت کم نصیب ہوئے۔جب وہ دونوں کسی ایک جگہ پر تعینات رہے ہوں۔اس کے باوجود انہوں نے کوئی کام کرنے کے لئے کسی نہ کسی طرح ایک دوسرے سے رابطہ قائم کر کے مشورہ کیا۔انہوں نے جتنے بھی علمی وادبی کام کئے وہ سب دونوں کے مشترکہ قلمی نام کے ساتھ شائع ہوتے رہے۔اُن کا سب سے اہم کارنامہ ''ناٹک ساگر'' کی تالیف ہے۔جسے ڈرامے کی عالمی تاریخ وتنقید قرار دینا چاہئے۔اس کے علاوہ متعدد ڈرامے 'افسانے' تنقیدی مضامین اور نظم پارے ریاستی اردو ادب کو آپ کی دین ہیں۔ انہوں نے ریاست جموں وکشمیر میں اُردو کی شمع کو جلائے رکھا۔اور انتھک لگن سے اس کو زیادہ روشن کرنے کی کوشش کی۔

سوال نمبر ا:۔جنگل میں پیڑ کاٹتے ہوئے لکڑ ہارے نے کس کی آواز سُنی اور اُس نے اُس سے کیا کہا؟

جواب:۔لکڑ ہارے نے جنگل میں ایک بڑے برگد کے درخت کو کاٹنے کے لئے چُن لیا تھا۔جونہی اُس نے پیڑ کو کاٹنا شروع کیا تو اُسے

ایک بے حد ڈرا دینے والی آواز سنائی دی جیسے برگد کا پیڑ خود کہہ رہا تھا۔ مجھے نہ کاٹو! اگر تم نے مجھے نہیں کاٹا تو میں تمھیں انعام دیکر مالا مال کر دونگا۔

سوال:۔گھر آنے پر لکڑ ہارے اور اُس کی بیوی میں کیوں تُو تُو مَیں مَیں ہونے لگی؟

جواب:۔گھر آنے پر لکڑ ہارے اور اُس کی بیوی میں تُو تُو اور مَیں مَیں اس لئے ہونے لگی کیونکہ وہ آج وقت سے پہلے خالی ہاتھ گھر آ گیا تھا۔ اُسے زُوروں کی بُھوک لگی تھی لیکن گھر میں کھانے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔مگر تند اور بدمزاج بیوی کھانا دینے کے بجائے طعنے دیتی رہی۔ اپنی مفلسی اور ناداری پر رونے لگی۔ اور اس کا ذمہ دار شوہر کو قرار دیتی رہی۔ اس طرح یہ دونوں ایک دوسرے کو کوسنے لگتے ہیں۔ایک دوسرے پر کیچڑ اُچھالتے رہے ایک دوسرے کو سنانے کے لئے بہت کچھ تھا۔اور دونوں میں تُو تُو مَیں مَیں ہونے لگی۔

سوال:۔بوڑھے نے لکڑ ہارے کے گھر پر آ کر اُس سے کیا کہا؟

جواب:۔سبز پُوش بُوڑھے نے لکڑ ہارے کے گھر میں داخل ہو کر اُس سے کہا کہ میں جنگل سے آیا ہوں۔اور مجھے شام ہونے سے پہلے جنگل واپس پہنچنا ہے۔ کیونکہ میں انسانوں کے گھروں میں زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتا ہوں۔سنو! آپ نے میرے ایک پرانے دوست کی جان بچا کر اُس پر بڑی مہربانی کی ہے۔جب کہ اُس کو نہیں کاٹا ہے۔لہذا آپ کو اُس کا معاوضہ دینے آیا ہوں۔جنگل کے بادشاہ کا حکم ہے کہ آپ کو انعام دینا چاہئے۔اس لئے آپ کی منہ مانگی تین مرادیں پوری کی جائیں گی۔

سوال:۔لکڑ ہارنے بور کا لڈو کیوں مانگا؟

جواب:۔لکڑ ہارا تھکا ماندہ گھر لوٹا تھا۔سارا دن اس نے جنگل میں بغیر کچھ کھائے کام کرنے میں گزارا تھا۔ اُسے بے حد بھوک لگی تھی۔ وہ غریب آدمی تھا۔اس لئے اس نے بور کا لڈو مانگا تھا۔کیونکہ یہ اس کا من پسند لڈو تھا۔اور یہی لڈو اس کے لئے بہت بڑی نعمت تھی۔اس کے سوا اور کچھ سوجھتا نہیں تھا۔

سوال:۔لکڑ ہارے کی بیوی لکڑ ہارے سے کیا مانگنے کے لئے بار بار کہتی رہی؟

جواب:۔لکڑ ہارے کی بیوی امیر بننا چاہتی تھی اسے مال وزر کی ضرورت تھی۔اسی لئے وہ اُسے بار بار کہہ رہی تھی۔ کہ اگر ہمیں دولت حاصل ہوئی تو ہم اپنی زندگی عیش اور آرام سے گذار سکتے ہیں۔اگر روپیہ پیسہ ہماری پاس ہوگا۔تو ہم اُس سے سب کچھ خرید سکتے ہیں۔اور عیش وعشرت کی زندگی گذار سکتے ہیں۔اور دولت کے ساتھ ہی وہ ایسے پڑوسیوں کی خواہش رکھتی تھی جو اُسکی شان وشوکت دیکھکر جل اُٹھیں۔

سوال:۔بُوڑھے کے نزدیک سب سے بڑی دولت کیا تھی؟

جواب:۔بُوڑھے کے نزدیک سب سے بڑی دولت خوشی ومسرت اور دل کا سکُون ہے۔اسی لئے وہ دونوں میں بیوی کو صرف ''خوشی'' مانگنے کی تلقین کر رہا تھا۔اور اسی سے ان کو وہ سب مل پاتا جس کی انھیں آرزو اور تمنا تھی ''خوشی'' حاصل ہو جانے سے ان کے دلی ارمان پورے ہو جاتے۔۔

سوال اس ڈرامے سے آپ کو کیا سبق حاصل ہوتا ہے؟

جواب ’’بور کے لڈو‘‘ ایک نہایت خوبصورت اور نصیحت آموز ڈراما ہے۔ جس میں ہمیں ایک طرف یہ بتایا گیا ہے کہ ہمیں درختوں کو بے دریغ نہیں کاٹنا چاہئے بلکہ اُن کی اہمیت کو محسوس کرنا چاہئے کیوں کہ یہ ماحول کے توازن کو برقرار رکھنے میں ایک اہم رول ادا کرتے ہیں اور دوسری طرف اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ انسان کے لئے سب سے بڑی دولت ’خوشی‘ مسرت اور دل کا سکون ہے۔

سوال:۔ ’’بُور کے لڈو‘‘ ڈرامے کا مرکزی خیال کیا ہے؟

جواب:۔ پیڑ پودے ماحول کے لئے اتنے ہی ضروری ہیں جتنے کہ حیوانات ۔حیوانات جن میں آدمی بھی شامل ہے۔اپنی ضروریات زندگی پیڑ پُودوں سے حاصل کرتے ہیں۔ پیڑ پودے ماحول کے توازن کو برقرار رکھنے میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔ پیڑوں کو اندھا دُھند کاٹنے سے یہ توازن بگڑ جاتا ہے۔ اور ماحول میں آلودگی بڑھ جاتی ہے۔موسم پر بُرا اثر پڑتا ہے اسی طرح انسان کی زندگی پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ درخت نہ ہوں تو انسان کا زندہ رہنا ناممکن بن جائے گا۔ درخت اور پیڑ پودے ہماری زندگی میں خوش حالی لاتے ہیں۔خوش رہنا انسان کے لئے ضروری ہے۔بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خوشی دولت سے خریدی جاسکتی ہے۔لیکن یہ خیال غلط ہے۔سب سے بڑی دولت دل کا خوش رہنا ہے۔دل ہی خوشی کا سرچشمہ ہوتا ہے۔

سوال:۔سیاق وسباق کا حوالہ دے کر ذیل کے اقتباس کو سلیس اُردو میں لکھئے؟

’’برگد کا ایک بڑا درخت ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مجھے نہ کاٹو میں تمھیں انعام دوں گا‘‘

جواب:۔ یہ اقتباس محمد عمر نورالٰہی کے ڈرامے ’’بُور کے لڈو‘‘ سے لیا گیا ہے۔اس ڈرامے میں صرف تین کردار ہیں۔لکڑہارا اس کی بیوی اور ایک بزرگ۔ لکڑہارا جنگل میں لکڑیاں کاٹ رہا ہوتا ہے۔تو اُسے ایک عجیب آواز سنائی دیتی ہے۔زیرِ حوالہ عبادت کے ٹکڑے میں لکڑہار اپنی بیوی کو یہی واقعہ سُناتا ہے کہ جنگل میں برگد کا ایک بڑا سا درخت ہے۔گھنا اور پھیلا ہوا۔کئی دن ہوئے میں نے اُسے کاٹنے کا فیصلہ کیا تھا۔ یہ درخت جنگل کے اُس حصے میں ہے جہاں دن کے وقت بھی اس قدر اندھیرا چھایا ہوتا ہے کہ رات کا گمان ہوتا ہے۔آج میں نے اُسے کاٹنے کے لئے کلہاڑی اُٹھائی ہی تھی۔کہ ایک بے حد ڈراونی آواز سے سارا جنگل گونج اُٹھا۔اور میں نے سُنا کوئی مجھ سے کہہ رہا ہے۔ ’’مجھے نہ کاٹو‘‘ مجھے چھُوڑ دو۔مجھے نہ کاٹو۔مجھ پر کلہاڑی مت چلاوَ۔اگر تم نے مجھے نہیں کاٹا تو میں خوش ہو کر تمھیں انعام دوں گا۔جسے تم پا کر خوش ہو جاؤ گے۔

سوال:۔ ’’بُور کے لڈو‘‘ ڈرامے کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھئے۔

جواب:۔ یہ ڈراما ریاست جموں وکشمیر کی دوشخصیات صاحب زادہ محمد عمر اور منشی نورالٰہی کی تالیف ہے۔انہوں نے اس ڈرامے کا بنیادی موضوع ماحولیات پر رکھا ہے۔اور ماحول کے توازن کو برقرار رکھنے میں پیڑ اہم رول ادا کرتے ہیں۔داناؤں کا قول ہے کہ اناج تب ہی کافی ہوگا جب جنگل صحیح سلامت رہیں گے۔اسی خیال کی آبیاری محمد عمر اور نورالٰہی نے اس ڈرامے میں کی ہے۔اس ڈرامے کے صرف تین کردار ہیں۔ایک بے وقوف لکڑہارا‘ اُس کی بدمزاج بیوی اور ایک بوڑھا بزرگ۔لکڑہارا ہر روز جنگل میں جا کر لکڑیاں کاٹتا تھا اور گھر کا

گذارہ چلاتا تھا۔مگر گھر میں ہمیشہ روپے پیسے کی تنگی رہتی تھی۔لکڑ ہارے کی بیوی ہر وقت اُس سے لڑتی جھگڑتی رہتی تھی۔اور اُسے کام چور اور نکما کہتی تھی۔ایک دن لکڑ ہارا جنگل میں لکڑیاں کاٹ رہا تھا۔اُس نے ایک بڑے سے برگد کے پیڑ کو کاٹنے کے لئے چُن لیا تھا اُس نے جونہی پیڑ کاٹنے کے لئے کلہاڑی اُٹھائی تو اُسے ایک بے حد ڈرا دینے والی آواز سنائی دی کوئی اُس سے کہہ رہا تھا۔''مجھے نہ کاٹو۔میں تمھیں انعام دوں گا۔ یہ آواز سنکر لکڑ ہارا گھبرا گیا اور کام چھوڑ کر گھر دوڑا دوڑا آیا۔ بیوی سے اس بات کا ذکر کیا۔تو وہ طفے دینے لگی اور جھگڑا شروع ہو گیا۔تُو تُو مَیں مَیں ہو ہی رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی اور کسی نے باہر سے کہا کہ میں لکڑ ہارے کے لئے انعام لایا ہوں۔انہوں نے دروازہ کھولا تو ایک چھوٹے قد کا بزرگ اندر آکر اُن سے کہنے لگا کہ جنگل کا بادشاہ لکڑ ہارے سے اس بات پر بہت خوش ہوا ہے کہ اس نے ایک درخت کو نہیں کاٹا اس کے لئے انعام بھیجا ہے۔کہ لکڑ ہارا بُھوک کی وجہ سے ایک ''بور کا لڈو'' چاہتا تھا۔انعام صرف لکڑ ہارے کے لئے ہے اس لئے فوراً ایک گرما گرم لڈو اُس کے ہاتھ میں آجاتا ہے۔ بیوی کو اُس کی بیوقوفی پر غصّہ آتا ہے اور اُسے بُرا بھلا کہتی ہے اور اُس کے ہاتھ سے لڈو چھین کر بھاگ جاتی ہے۔لکڑاہارا تنگ آکر کہتا ہے کہ لڈو اس کی بیوی کی ناک سے چپک جائے اُس کی یہ دوسری خواہش فوراً پوری ہوئی اور لڈو اُس کی بیوی کی ناک سے چپک جاتا ہے۔اور بیوی مصیبت میں پھنس جاتی ہے وہ اپنی بدقسمتی پر رونے لگی۔اور لڈو کو ناک سے جُدا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔اس کوشش میں لکڑ ہارا بھی شامل ہوتا ہے۔لیکن دونوں کی ہزار کوشش کے باوجود لڈو اُترنے کا نام نہیں لیتا۔تب مجبور ہو کر لکڑ ہارا تیسری مراد مانگتا ہے کہ یہ لڈو اس کی بیوی کی ناک سے اُتر جائے۔تب لڈو فوراً ناک سے اُتر جاتا ہے۔اس طرح بیوی کی ضد اور لالچ ساتھ ہی ساتھ لکڑ ہارے کی بے وقوفی کی وجہ سے اس کی تینوں مرادیں بے کار ہو جاتی ہیں۔اور وہ کچھ بھی حاصل نہ کر سکے تب وہی بزرگ آدمی ایک مرتبہ پھر نمودار ہو جاتا ہے اور اُن سے کہتا ہے کہ دنیا میں صرف ایک ہی چیز حاصل کرنے کے قابل ہے اور وہ ہے دل کی سچی خوشی۔جو ضروری نہیں ہے کہ صرف روپے پیسے سے حاصل ہو۔بوڑھا دونوں میاں بیوی سے کہتا ہے کہ اگر تم دونوں نے خوشی مانگی ہوتی تو آج تمہارے پاس سب کچھ ہوتا''

سوال:۔محاورہ کسے کہتے ہیں۔درج ذیل محاوروں کے معنی لکھئے اور جملوں میں استعمال کیجئے۔

جواب:۔محاورہ اُس کلمے اور کلام کو کہتے ہیں۔ جسے اہل زبان نے کسی خاص مفہوم کے لئے مخصوص کیا ہو۔لغوی معنی کی مناسبت ضروری نہیں ہے جیسے ''آسمان میں چھید ہونا'' یعنی موسلا دھار بارش ہونا۔ جملہ:۔آج کتنی بارش ہو رہی ہے کہیں آسمان میں چھید تو نہیں ہو گیا ہے۔

محاورہ	معنی	جملہ
پاؤں دُھو دُھو کر پینا	خوبی کے اعتراف میں احترام کرنا	احمد اپنے اُستادوں کے پاؤں دُھو دُھو کر پیتا ہے۔
ڈر کے مارے کانپ اُٹھنا	بہت خوف کھانا۔تھر تھرانا	میں نے جب سانپ کو دیکھا تو ڈر کے مارے کانپ اُٹھا۔
مُنہ دُھو رکھنا	کام ہونے کی اُمید نہ رکھنا	اکبر یہ کام تو آپ سے ہو ہی نہیں سکتا اپنا منہ دُھو کے رکھنا

خاک میں ملنا	تباہ وبُرباد ہونا۔مرجانا	آوارہ گردی کرتے ہوئے اکبر نے اپنے آپ کو خاک میں ملایا۔
کانٹے بُونا	اپنے یا کسی اور کے حق میں بُرا کرنا	لڑکی کو حد سے زیادہ آزادی دنیا اُس کی راہ میں کانٹے بونا ہے
بے سروپیر کی اُڑانا	بے معنی اور غیر معتبر بات بتانا	سرکاری ریڈیو والے ہمیشہ بے سروپیر کی اُڑاتے رہتے ہیں
پیٹ میں چوہے دوڑنا	بہت زور کی بھوک لگنا	مجھے کچھ کھانے کے لئے دیجئے۔میرے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں
غارت کر دینا	تباہ کرنا۔برباد کرنا	بچوں کی باگ ڈھیلی چھوڑ کر آپ نے اُن کی زندگی غارت کر دی
خاک دھول پکانا	کھانے کے لئے کچھ نہ ہونا	ہم جیسے غریبوں کے گھر میں خاک دھول ہی پکایا جاتا ہے
جُھولی میں ڈال دینا	نذر کرنا۔پیش کرنا	اس مصیبت کی گھڑی میں ہم نے اُس کی جُھولی میں وہ سب کچھ ڈال دیا جس کی ضرورت ہے
میری بَلا سے	مجھے کچھ پروانہیں	جانا چاہتے ہو تو جاؤ میری بلا سے
بھنگ پی جانا	ٹھیک طرح سے بات نہ کرنا	جب وہ بات کرتا ہے ایسا لگتا ہے جیسے اُس نے بھنگ پی لی ہے
جان بچی لاکھوں پائے	مرنے سے بچ گئے	یار جان بچی لاکھوں پائے یہی کیا کم ہے مُوت تو سر پر تھی
آفت کا آنا	مصیبت میں گرفتار ہونا	آپ کو ہوشیاری سے کام لینا چاہیے تاکہ کوئی آفت نہ آئے
دانت نکالنا	زُور زُور سے ہنسنا	تہ ذرا سی بات پر دانت نکالتا ہے
مُنہ دکھانے کے قابل نہ رہنا	شرمندہ ہونا۔شرمندگی محسوس کرنا	آپ کی حرکت سے میں کسی کو مُنہ دکھانے کے قابل نہ رہا
خدا جھوٹ نہ بُلائے	جھوٹ بولنے کی ضرورت نہ پڑے	خدا جھوٹ نہ بلائے ہماری فوج کا پلہ بھاری رہا۔
دل بہلانا	تفریح کرنا۔موج مستی کرنا	وہ اپنے آفیسر کا دل بہلاتا ہے تاکہ ترقی ہو جائے
گھڑی کو کوسنا	اُس وقت کو بُرا بَھلا کہنا جب کوئی بُری بات ہوئی ہو	میں ہمیشہ اُس گھڑی کو کُوستا ہوں جب آپ سے آشنائی ہوئی تھی
جھوٹے کے منہ میں خاک	جھوٹ بولنے والی کی حالت خراب ہو	جھوٹے کے منہ میں خاک تم تو ہمیشہ بے تکی باتیں کرتے ہو
پلے باندھنا	شادی یا بیاہ کر دینا	سوتیلے بھائی نے نہ معلوم اس کو کس کے پلے باندھا
مزا چکھانا	کسی غلطی کی سزا دینا	مزہ چکھایا ہے کو ہکن کو جو عشق آیا امتحان پر
مزے میں ہو جانا	خوشی کے دن آنا	اگر میرے کہنے پر عمل کرتے تو آج ہماری زندگی مزے میں ہوتی

دیا سلائی دکھانا	آگ لگانا۔جلانا	دشمن کے گھر کو دیا سلائی دکھانا ہی عقل مندی ہے
مہندی تو لگی نہیں پاؤں میں	چلنے میں کون سی رُوکاوٹ ہے	مہندی تو لگی نہیں ہے پاؤں جو ہمارے گھر آنے سے کترا رہے ہو
کام تمام کرنا	ختم ہونا	الٹی ہو گئی سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا آخراس بیماری دل نے اپنا کام تمام کیا
خاطر کرنا	خدمت کرنا۔اوبھگت کرنا	ہم غریب آپکی مناسب خاطر نہیں کر سکتے ہیں۔
مونچھوں پر تاؤ دینا	گھمنڈ کرنا۔اکڑنا۔بل دینا	اپنی کامیابی کی خبر سن کر وہ مونچھوں پر تاؤ دینے لگا
پہلے تُو لو پھر بُولو	سوچ سمجھ کر بات کرنا	جب بھی آپ کو کچھ کہنا ہو تو پہلے تُو لو پھر بُولو
بہکی بہکی باتیں کرنا	نشے کی حالت میں بات کرنا	کام کی بات کرو۔یوں بہکی بہکی باتیں کرنے سے کیا فائدہ
گُل کھلانا	فساد کھڑا کرنا۔عجیب واقعہ ہونا	یہاں آئے دن کوئی نہ کوئی گُل کھلتا ہی رہتا ہے
پالا پڑنا	کام پڑنا۔واسطہ پڑنا	ہمیں ہندوستان جیسے مکار ملک دشمن سے پالا پڑا
اکارت ہونا	بے کا ہونا۔تباہ و برباد ہونا	آپ کی ذرا سی غفلت سے ساری محنت اکارت ہوئی
لُٹیا ڈبو دینا	محنت ضائع ہو جانا	چوری کر کے اس نے اپنے خاندان کی لُٹیا ڈبو دی
دروازے پر ہاتھی جُھولنا	بہت امیر یا دولتمند ہونا	پرانے زمانے میں نوابوں کی حویلیوں کے دروازے پر ہاتھی جھولتے تھے
گھر کا راستہ بھول جانا	بٹھک جانا	اِن گلیوں میں کھو کر گھر کا راستہ بھول نہ جانا اے دوست
جلدی کا کام شیطان کا	کام کا درست طریقہ۔اطمینان کا ہونا	دیکھا اپنی بے وقوفی کا نتیجہ۔سچ کہا گیا ہے کہ جلدی کا کام شیطان کا
سٹھیا جانا	ساٹھ سال کا ہونا یعنی بیوقوف ہو جانا	بُوڑھا تو سٹھیا گیا ہے۔جو ہماری سیدھی سی بات کو ٹال گیا
سہاگ قائم رہنا	شوہر کا زندہ رہنا۔بیوہ ہونے سے بچنا	شکُر خدا کا بجالا کہ اس لڑائی میں تمہارا سہاگ قائم رہا

سوال:۔ اس سبق میں جتنے بھی مشکل الفاظ ہیں اُن کے معنی لکھیئے؟

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
بُورکا لڈو	بھوسی میں کھانڈ ملا کر بنائے ہوئے خوبصورت لڈو	چمٹ جانا	لپٹنا	ڈراما	نقل۔ناٹک۔سوانگ	لکڑ ہارا	درخت کاٹنے والا

بدمزاج	غصہ ور۔ چڑچڑا	چٹائی	گھاس یا پتوں کا فرش	چارپائی	چھوٹا پلنگ۔کھاٹ	اُکھاڑنا	توڑنا۔کھودنا
ناشکرا	خدا کا شکر نہ بجالانے والا	سگھڑ	تمیزدار۔ سمجھ دار	پاؤں دھو کر پینا	کسی کی خوبیوں کے اعتراف میں زیادہ احترام کرنا	کام چور	کام نہ کرنے والا
کیچڑ	مٹی۔دلدل۔چپڑ	غارت کرنا	برباد کرنا۔ تباہ کرنا	گٹھا	بوجھ۔بقچہ	نکھٹو	کام چور۔نکما
قیامت	یوم حساب۔حشر	بلا	مصیبت ۔چڑیل	راستہ بھول جانا	بھٹک جانا۔منزل کا نہ ملنا	میاں	شوہر۔آقا۔جناب
خاک دھول پکانا	کچھ نہ پکانا۔کچھ کھانے کے لئے کچھ بھی نہ ہونا	خالی ہاتھ آنا	اکیلا آنا۔ بے روزگار	آن	شان۔ڈھنگ۔ادا	جُھولی میں ڈالنا	نذر کرنا۔پیش کرنا
کانپ کر	تھرتھرا کر۔لرز کر	خدا جُھوٹ نہ بُلائے	جھوٹ کی نوبت نہ آئے	بیجا	کپڑے کی بنی ڈراونی شکل	بھنگ پینا	ہوش کھونا۔بدحواس ہونا
برگد	بڑکا درخت	چھانٹنا	چُننا۔انتخاب کرنا	گھنا	گنجان۔ بہت شاخ والا	کُلہاڑی	لکڑی کاٹنے کا آلہ
ڈراونی	بھیانک۔خوفناک	انعام	تحفہ۔معاوضہ	گُونج اُٹھا	آواز سے پُر ہوا۔شور وفغان سے لبریز ہوا	گھسیٹ لینا	کھینچنا۔ زمین سے رگڑتے ہوئے لے کر جانا
دم لینا	ٹھہرنا۔سانس لینا	جان بچی لاکھوں پائے	مرنے سے بچ گئے۔ یہی تو غنیمت ہے	رانڈ	بیوہ۔جس کا شوہر مرگیا ہو	چھوٹے کے مُنہ میں خاک	جو جھوٹ بولے اُس کی حالت خراب ہو

سہاگ قائم رہا	شوہر کا زندہ رہنا۔ بیوہ ہونے سے بچنا	انوکھی	نرالا۔ سب سے الگ	برات	دولہے کی پارٹی	پلے باندھنا	رشتے میں منسلک کرنا۔ شادی بیاہ رچانا
تنا	درخت کا نچلہ حصّہ جہاں تک شاخ نہ نکلی ہو	سماجانا	بس جانا۔ بھر جانا	مسواک	دانت صاف کرنے کی لکڑی	منحوس	بدبخت۔ بدنصیب
بنوں	جنگل ہا۔ بیابان	دل بہلانا	تفریح کرنا۔ دل لگانا	گھڑی کو کُوسنا	اُس وقت کر بُرا بھلا کہنا جب کوئی بات ہوئی ہو	چونک کر	ہوشیار ہوکر۔ تعجب ہونا
مزا چکھانا	بدلہ لینا۔ کسی غلطی کی سزا دینا۔ ختم کرنا	زنجیر	کنڈی۔ بیڑی۔ سلاسل	غریب خانہ	عاجزی کے طور پر گھر سے مراد ہے	پلے باندھنا	شادی بیاہ رچانا
خاطر کرنا	خدمت کرنا۔ آؤ بھگت کرنا	بُت بنے بیٹھنا	خاموش ہونا۔ چپ لگنا	بندگی	سلام۔ عبادت۔ عجز	ہریاول	سبزی۔ سبزہ زار
منہ مانگی	حسب خواہش	حضور	جناب۔ روبرو	عوض	اجر۔ جزا۔ بدلے میں	شیطان	نافرمان۔ باغی۔ بدکار
مول لینا	خریدنا۔ حاصل کرنا	عنایت	مہربانی۔ بخشش	پیچھا چُھوٹ جانا	مخلصی پانا۔ جان بچانا	رخصت چاہنا	جانے کی اجازت مانگنا
نگوڑا	جس کے پاؤں نہ ہوں	مرادیں	خواہش۔ تمنا۔ مطلب	بہکی بہکی باتیں کرنا	نشے کی حالت میں بات کرنا	محل	ایوان۔ بڑا مکان
چمٹ جانا	چپاں ہونا۔ لپٹنا	غارت ہونا	تباہ ہونا۔ ضائع ہونا	گُل کِھلانا	فساد کھڑا کرنا	پالا پڑنا	واسطہ پڑنا۔ کام پڑنا
دانت نکالنا	ہنسنا۔ قہقہ لگانا	آفت آنا	مصیبت میں گرفتار ہونا	ضائع ہونا	برباد یا خراب ہونا	دم نکل جانا	جان نکلنا۔ مرجانا

منہ دکھانے کے قابل نہ رہنا	شرمندہ ہونا۔شرم محسوس کرنا	خاک میں ملنا	تباہ برباد ہونا۔ مٹنا	بھاڑ میں جانا	دعائے بد۔آگ لگے	شٹھیا جانا	بہکی بہکی باتیں کرنا
کنگال	غریب۔مُفلس	کرتوت	بُرا کام۔خراب عمل	اکارت ہونا	بے کار ہونا۔تباہ ہونا	لٹیا ڈوب جانا	محنت ضائع ہونا
ٹھنگنا	چھوٹے قد کا	اُکھاڑنا	توڑنا۔کھودنا	اونچ نیچ دیکھنا	نفع ونقصان دیکھنا	بُوجھنا	سمجھنا۔حل کرنا
حُسن	خوبصورتی۔ اچھائی	بےسود	بغیر فائدہ۔ فضول	گدھا پن	بے وقوفی۔نادانی	کانٹے بونا	برائی کرنا۔کسی کا بُرا کرنا
بسورنا	آہستہ آہستہ رُونا دھونا	ہائے ہائے	حروف ندبہ وافسوس	بھولے سے بھی	راستہ بھول کر	پگلہ	خسبطی۔نادان
بور کے لڈو کھائے تو پچھتائے نہ کھائے تو پچھتائے۔	وہ کام جس کے کرنے پر بھی اور نہ کرنے پر بھی افسوس ہو	سٹھیا جان	بہکی بہکی باتین کرنا	چمٹ جانا	چسپان ہونا۔لپٹنا		

''ترکیب نحوی''

ترکیب نحوی میں جملے کے اجزا اور جملے کی نوعیت سے بحث ہوتی ہے۔اس میں یہ بتانا پڑتا ہے کہ جملے کے اجزا کون کون ہیں۔کس قسم کے ہیں اور یہ سب اجزامل کر کس قسم کا جملہ بناتے ہیں۔ جملہ لفظوں کے اُس مجموعے کو کہتے ہیں جس سے پُورا پُورا مطلب سمجھ میں آجائے جیسے علم بڑی دولت ہے۔جُھوٹ نہ بُولو۔وقت ضائع نہ کرو۔خدا سے ڈرو۔وہ بلند آواز سے پڑھتا ہے۔ہر جملے کے دو بڑے جزو ہوتے ہیں۔

ا:۔مُسندالیہ SUBJECT ب:۔مُسند PREDICATE

نوٹ:۔مسندالیہ ہمیشہ اسم ہوتا ہے اور مُسند کبھی اسم ہوتا ہے اور کبھی فعل ہوتا ہے۔لہذا مسند کے لحاظ سے جملے کی دو قسمیں ہیں۔

ا:۔جملہ اسمیہ ب:۔جملہ فعلیہ

ا:۔جملہ اسمیہ وہ جملہ ہے جس میں مُسند اسم ہو جیسے حمید دانا ہے۔بشیر نادان ہے

ب:۔ جملہ فعلیہ وہ جملہ ہے جس میں مُسند فعل ہو جیسے فاروق کھیلتا ہے۔ وہ پڑھتا ہے

نوٹ:۔ جملہ اسمیہ میں مسندالیہ کو 'مبتدا' اور مُسند کو 'خبر' کہتے ہیں اور جو فعل اسم اور خبر کے ساتھ مل کر پورے معنی دیتا ہے۔ اس کو 'فعل ناقص' Helping Verb کہتے ہیں۔

ترکیب نحوی کے لئے چند ہدایات

کسی جملے کی ترکیب نحوی کرتے وقت مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

ا:۔ مصرعہ یا شعر کی نثر بنا لینی چاہئے ۲:۔ سب سے پہلے جملہ میں فعل 'VERB' تلاش کر لینا چاہیے پھر دیکھنا چاہئے کہ فعل ناقص (INCOMPLATE VERB) ہے یا فعل لازم (INTRANSITIVE VERB) یا فعل متعدی (TRANSITIVE VERB) یا فعل معروف (ACTIVE VERB) ہے یا فعل مجہول (PASSIVE VERB) ہے۔

۳:۔ اگر فعل ناقص ہے تو مبتدا اور خبر تلاش کر لینا چاہئے ب:۔ اگر فعل لازم ہے تو فاعل تلاش کر لینا چاہئے۔ ج:۔ اگر فعل متعدی ہے تو فاعل کے ساتھ ساتھ مفعول بھی تلاش کر لینا چاہئے۔ د:۔ بعض متعدی فعلوں میں دو یا تین مفعول بھی ہوتے ہیں سب کو تلاش کر کے ان کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ ہ:۔ اگر فعل مجہول ہو تو مفعول قائم مقام فاعل ڈھونڈنا چاہئے۔ بقیہ کو متعلقات فعل میں شمار کرنا چاہئے۔ ۴:۔ فعل ناقص میں مبتدا اور خبر تلاش کر کے بقیہ کو متعلقات خبر میں تصور کرنا چاہئے۔ ۵:۔ مقدرات کو تلاش کر لینا چاہئے۔ کیونکہ جملے میں۔ ا:۔ کبھی فاعل محذوف ہوتا ہے جیسے۔ کہتے ہیں اس سال بارش اچھی ہوگی اس جملے میں 'لوگ' (فاعل) محذوف ہے۔ ب:۔ کبھی مفعول محذوف ہوتا ہے۔ جیسے ان کی ایک نہ سنوں گا۔ اس جملے میں (بات) مفعول ہے جو محذوف ہے ج:۔ کبھی فعل محذوف ہوتا ہے جیسے۔ نہ موہن آتا ہے نہ سوہن۔ اس جملے کے آخر میں 'آتا ہے' (فعل) محذوف ہے د:۔ کبھی مبتدا محذوف ہوتا ہے۔ جیسے۔ بے بس ہوں مجھ پر رحم کرو۔ اس جملے میں 'میں' (مبتدا) محذوف ہے۔ ہ:۔ کبھی خبر محذوف ہوتی ہے۔ جیسے۔ اس شہر کی نہر کا انجینر کون ہے؟ بشیر احمد شاہ ہے اس جملے کے آخیر میں 'انجینر' (خبر) محذوف ہے ۵:۔ بعض اوقات 'فاعل'۔ 'مفعول' اور 'مُبتدا' اکیلا اسم ہوتا ہے اور 'خبر' اکیلا اسم ہوتا ہے۔ یا صفت ہوتی ہے۔ جیسے۔ محمود نے سیب کھایا۔ رشید نیک ہے۔ ان جملوں میں فاعل (محمود)۔ مفعول (سیب) اور مبتدا (رشید) اور خبر (نیک) سب مفرد ہیں۔ مگر بعض اوقات ان کے ساتھ اور الفاظ بھی ہوتے ہیں۔ جو ان کی توضیح کرتے ہیں۔ ان کو 'توسیع یا متعلق' کہتے ہیں۔ جیسے۔ ا:۔ محمود کے بیٹے نے دو میٹھے امرود کھائے ب:۔ نیک دل جمشید حاضر ہے گ:۔ نوشیروان ایک عادل بادشاہ تھا۔ پہلے والے جملے میں 'محمود کے بیٹے' فاعل ہے جو مرکب ہے۔ اصل فاعل 'بیٹے' ہے اور محمود کے اس کے معنی میں اضافہ کر رہا ہے تو یہ متعلق فاعل ہے۔ اسی جملے میں 'دو میٹھے امروذ' مفعول ہے جو مرکب ہے۔ اصل مفعول 'امروذ' ہے اور 'دو میٹھے' اس کے معنی میں اضافہ کر رہا ہے۔ تو متعلق مفعول ہے۔ دوسرے جملے میں 'نیک دل جمشید' مبتدا ہے اصل مبتدا تو جمشید ہے مگر 'نیک دل' اس کے معنی میں اضافہ کر رہا ہے۔ لہذا متعلق مبتدا ہے۔ تیسرے جملے میں 'ایک عادل بادشاہ' خبر ہے مگر اصلی خبر تو 'بادشاہ' ہے مگر 'ایک عادل' اس کے معنی میں اضافہ کرتا ہے لہذا متعلق خبر ہے۔

جُر کے حروف(PREPOSITION)

ترکیب نحوی کرتے وقت ان حروف کی ایک خاص اہمیت ہوتی ہے ان کی جانکاری ہونی چاہئے۔ جُر کے حروف ہیں جو اس کو فعل کے ساتھ ملا دیں۔ جیسے۔ میں بس سٹینڈ تک گیا تھا۔ کرسی پر بیٹھے۔ وہ دہلی سے آ گئے ہیں۔ ان مثالوں میں 'تک' بس سٹینڈ (اسم) کو گیا تھا (فعل) کے ساتھ ملاتا ہے 'پر' کرسی (اسم) کو بیٹھئے (فعل) سے ملاتا ہے۔ اسی طرح 'سے' دہلی (اسم) کو آ گئے (فعل) سے ملاتا ہے۔ لہٰذا تک۔ پر۔ سے جُر کے حروف ہیں۔ اور حُروف جُر کو حروف جار بھی کہتے ہیں۔ جس اسم کے ساتھ جُر کا حُروف آئے وہ 'مجرور' کہلاتا ہے جیسے اُوپر کے مثالوں میں بس سٹینڈ۔ کرسی۔ دہلی مجرور ہیں۔ مندرجہ ذیل حروف بھی حروف جار ہیں لیکن اصل میں یہ اسم ہیں۔ اور اضافت کے بغیر نہیں آتے ہیں۔ اُوپر۔ نیچے۔ آگے۔ سامنے۔ پیچھے۔ ساتھ۔ لئے۔ واسطے۔ درمیان۔ بیچ۔ اندر۔ باہر۔ بغیر۔ سوا۔ طرح۔ مانند۔ علاوہ۔ طرف۔ پاس۔ نزدیک۔ خاطر۔ مارے۔ سمیت۔ جیسے پہاڑ کے نیچے۔ اس کی طرح۔ اُن کے علاوہ۔ اس کے اُوپر۔ وغیرہ وغیرہ۔

''مُضاف اور مضاف الیہٖ''

ان حروف کی بھی ترکیب نحوی کرنے میں ایک اہم اور خاص نوعیت ہے۔ مضاف وہ اسم ہے جس کا کسی اسم کے ساتھ لگاؤ ہو۔ جیسے حمید کا قلم۔ بچوں کے کھلونے۔ شمیم کی کتاب۔ ان جملوں میں قلم۔ کھلونے اور کتاب مضاف ہیں۔ کیونکہ اِن کا ''حمید'' ''بچوں'' اور شمیم کے ساتھ لگاؤ ہے۔ مضاف الیہٖ وہ اسم ہے۔ جس کے ساتھ کسی اسم کا لگاؤ ہو۔ جیسے درخت کا پھل۔ رئیس کے مکانات اور مُور کی دُم۔ ان مرکبات میں درخت۔ رئیس اور مُور مضاف الیہٖ ہیں۔ کیونکہ ان کے ساتھ پھل۔ مکانات اور دُم کا لگاؤ ہے۔ لگاؤ کو اضافت کہتے ہیں۔ لہٰذا جو حروف ایک اسم کا لگاؤ دوسرے اسم کے ساتھ ظاہر کریں۔ انھیں اضافت کے حروف کہتے ہیں۔ جیسے کا۔ کے۔ کی وغیرہ وغیرہ۔

ترکیب نحوی کی چند مثالیں

۱:۔ اکبر ذہین ہے۔

جملہ اسمیہ
- ہے۔۔۔۔۔۔فعل ناقص
- اکبر۔۔۔۔۔۔مبتدا
- ذہین۔۔۔۔۔خبر

۲:۔ موہن حاضر تھا

جملہ اسمیہ
- ہے۔۔۔۔۔فعل ناقص
- موہن۔۔۔۔۔مبتدا
- حاضر۔۔۔۔۔۔خبر

۳:۔ بشیر نادان ہے

جملہ اسمیہ
- ہے۔۔۔۔۔فعل ناقص
- بشیر۔۔۔۔۔۔مبتدا
- نادان۔۔۔۔۔۔۔خبر

۴:۔علم بڑی دولت ہے

جملہ اسمیہ
- ہے۔۔۔۔۔فعل ناقص
- علم۔۔۔۔۔۔۔مبتدا
- دولت۔۔۔۔۔۔۔خبر
- بڑی۔۔۔۔۔متعلق خبر

۵:۔صادق کھڑا تھا

جملہ اسمیہ
- تھا۔۔۔۔۔۔فعل ناقص
- صادق۔۔۔۔۔مبتدا
- کھڑا۔۔۔۔۔۔۔خبر

۶:۔موہن مدرسہ میں حاضر تھا

جملہ اسمیہ
- تھا۔۔۔۔۔۔فعل ناقص
- موہن۔۔۔۔۔۔مبتدا
- حاضر۔۔۔۔۔۔خبر
- متعلق خبر
  - مدرسہ۔۔۔۔مجرور
  - میں۔۔۔۔حروف جار

۷:۔انسان پانی کا بلبلہ ہے

جملہ اسمیہ
- ہے۔۔۔۔۔فعل ناقص
- انسان۔۔۔۔۔مبتدا
- جملہ اسمیہ
  - پانی۔۔۔۔مضاف الیہ
  - کا۔۔۔حروف اضافت
  - بلبلہ۔۔۔۔۔مضاف

۸:۔مقصود دوڑتا ہے

دوڑتا ہے۔۔۔فعل لازم
مقصود۔۔۔۔۔۔فاعل
جملہ فعلیہ

۹:۔محبوب نے گانا گایا

گایا۔۔۔۔فعل متعدی
محبوب۔۔۔فاعل
نے۔۔۔۔علامت فاعل
گانا۔۔۔مفعول
جملہ فعلیہ

۱۰:۔عابد نے کھانا کھایا

کھایا۔۔۔۔فعل متعدی
عابد۔۔۔۔فاعل
نے۔۔۔۔علامت فاعل
کھانا۔۔۔مفعول
جملہ فعلیہ

۱۱:۔لکڑہارے نے خوب کمائی کی

کمائی کی۔۔۔۔۔فعل لازم
لکڑہارے۔۔۔فاعل
نے۔۔۔۔علامت فاعل
خوب۔۔۔۔متعلق فعل
جملہ فعلیہ

۱۲:۔اسلم نے سندیب کی مدد کی

مدد کی۔۔۔۔فعل متعدی
اسلم۔۔۔۔فاعل
نے۔۔۔۔علامت فاع
سندیپ۔۔۔مفعول
کی۔۔۔۔علامت مفعول
جملہ فعلیہ

۱۳:۔ حامد کتاب پڑھتا ہے

پڑھتا ہے۔۔۔فعل متعدی
حامد۔۔۔۔۔۔فاعل
کتاب۔۔۔۔۔مفعول
جملہ فعلیہ

۱۴:۔حمید کا بھائی باغ میں موجود تھا

تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔فعل ناقص

حمید۔۔۔مضاف الیہ
کا۔۔۔۔حروف اضافت
بھائی۔۔۔مضاف
(جملہ اسمیہ)

موجود۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔خبر

باغ۔۔۔۔مجرور
میں۔۔۔حرف جار
(متعلق خبر)

جملہ اسمیہ

۱۵:۔بے شک اللہ نیک لوگوں کو نیک بدلہ دے گا

دے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔فعل متعدی
اللہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔فاعل

نیک۔۔۔۔صفت
لوگوں۔۔۔موصوف
(مفعول)

کو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔علامت مفعول

نیک۔۔۔صفت
بدلہ۔۔۔موصوف
(مفعول ثانی)

بے شک۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔متعلق فعل

جملہ فعلیہ

۱۶:۔ سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا ل

نثر۔ ہمارا ہندوستان سارے جہاں سے اچھا (ہے)

ہے۔ (محذوف)۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ فعل ناقص

ہمارا۔۔۔ مضاف الیہ

ہندوستان۔۔۔ مضاف — مبتدا

سارے۔۔۔۔ تاکید

جہاں۔۔۔۔ موکد — مجرور

سے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ حروف جار — متعلق خبر

اچھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ خبر

جملہ اسمیہ

﴿شبیب رضوی کی غزلیں﴾

حالات زندگی اور خصوصیات کلام

ان کا نام سید محمد شبیب رضوی ہے اور تخلص شبیب ہے۔ آپ ۲۵ جون ۱۹۳۵ء کو قصبۂ زید پور ضلع بارہ بنکی اتر پردیش میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں والد سید مواعظہ حسین رضوی کا انتقال ہوا۔ دینی تعلیم گھر پر اپنی والدہ سے حاصل کی۔ الہ آباد کے عربی و فارسی بورڈ سے عربی میں مولوی فاضل اور فارسی میں منشی کامل کے امتحانات پاس کیے۔ اس کے بعد جامعہ سلطانیہ لکھنؤ سے سند الافاضل اور صدر الافاضل کی اسناد بھی حاصل کیں۔ اس کے علاوہ ہندی میں بروِیش اور اردو میں ادیب ماہر کے امتحانات پاس کیے ۱۹۵۹ء میں طبیہ کالج لکھنؤ سے طب کی سند حاصل کی اور ۱۹۶۳ء میں گورنمنٹ طبیہ کالج سری نگر میں ملازم ہوئے ۱۹۹۳ء میں میڈیکل آفیسر کے منصب سے سبکدوش ہوئے۔ آج کل سرینگر کے ایک پرائیویٹ طبیہ کالج میں شعبہ کلیات کے سربراہ کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ گھر کے ادبی ماحول نے شبیب کو شعر کہنے کی ترغیب اور تحریک دی۔ مختلف اصناف سخن مثلاً مرثیہ' سلام' نعت' منقبت' غزلیں ' نظمیں' قطعے اور رباعیات میں طبع آزمائی کی۔ کشمیر کے پس منظر میں انہوں نے سو کے قریب نظمیں کہی ہیں۔ اُن کا ایک مجموعہ کلام ''آتش چنار'' ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا ہے۔

غزل نمبر ۱ کی تشریح

شعر نمبر ۱:۔ کتاب بند سہی' حرف تر کھلا رکھنا　　　مباحثے کا ہمیشہ ہی در کھلا رکھنا

تفہیم الفاظ:۔ کتاب = نوشتہ۔ نسخہ۔ رسالہ + بند = خاموش۔ رُکنا۔ چُپ + سہی = ٹھیک۔ بجا۔ درست + حرف تر = کلام اور گفتگو سے مراد ہے + کُھلا = کشادہ۔ ظاہر + مباحثہ = بحث۔ مناظرہ۔ تکرار

تشریح:۔ شاعر کہتے ہیں کہ کتاب بند ہو چکی ہے تو کوئی بات نہیں ہے۔ لیکن کلام اور گفتگو یعنی بحث و تمحیص کا سلسلہ جاری رکھا جانا چاہئے۔

یعنی باہمی خیالات اور غور وفکر یعنی ریسرچ کا سلسلہ جاری رہے۔ دراصل شاعر کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ بلا شبہ قرآن پاک دین وشریعت کی اصل واساس ہے۔ مگر اس کا پڑھنا' پھر اس کو سمجھنا اور سمجھ کر پھر اس پر عمل کرنا واجب قرار دیا گیا ہے۔ مباحثے کا دروازہ کھلا رکھنا اس لئے بھی ضروری ہے۔ کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور کوئی نیا پیغمبر قیامت تک آنے والا نہیں ہے۔ آپ ہی اس دنیا کے آخری نسل تک کے لئے نبیؐ ہیں اور اب اور کوئی خدائی صحیفہ آنے والا نہیں ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ کتاب اگر بند ہے مگر جو آپ کے ارشادات اور اسوۂ حُسنہ ہے اس کی تدوین وترتیب' تحقیق وتنقید' ترجمہ وتشریح' تعلیم وتعلم' حفظہ واشاعت اور اس سے متعلق تمام ریسرچ کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیئے۔

شعر نمبر ۲:۔ سکوت شب سے بھی اُکتا کے لوٹ سکتا ہوں　　　　میں کہہ کے آیا ہوں بچوں سے گھر کُھلا رکھنا

تفہیم الفاظ:۔ سکوت = خاموشی۔ چُپ۔ اَمن + شب = رات۔ رین + اُکتانا = تنگ آنا۔ اُچاٹ ہونا۔ اداس ہونا + لوٹنا = واپس ہونا۔ پھرنا۔ ہٹنا + گھر = مکان۔ رہنے کی جگہ۔ مسکن

تشریح:۔ اس شعر میں شاعر نے اپنی ذہنی کشمکش کی تصویر کشی کی ہے۔ جہاں سے وہ بھاگ چکا ہے وہاں دوبارہ جانے کے امکان کو زندہ رکھا ہے۔ یعنی شاعر اپنے گھر کے ہنگامے اور تناؤ کے علاوہ اپنی ابتر حالت سے گھبرا جاتا ہے اور تنگ آکر گھر سے بھاگ جاتا ہے۔ تا کہ کہیں عزلت یعنی تنہائی کی زندگی گزار سکے مگر پھر کہتا ہے کہ میں شب تنہائی اور جُدائی کی سیاہ رات کی خاموشی سے بھی اُکتا جاؤں گا اور پھر اُسی گہما گہمی اور دوڑ دھوپ کی دنیا میں واپس آسکتا ہوں اس لئے کہتا ہے کہ میں نے بچوں سے کہہ رکھا ہے کہ میں واپس آنے کے لئے مجبور ہو جاؤں گا۔ لہذا گھر کے دروازے میرے لئے کُھلے رکھنا یعنی اُسے معلوم ہے کہ وہ باہر بھی چین نہیں پا سکتا۔

شعر نمبر ۳:۔ ہماری شرط ہے کہ ہم پر ہو سایہ رحمت　　　　تمہاری ضد ہے کہ کوفے میں سر کُھلا رکھنا

تفہیم الفاظ:۔ شرط = قاعدہ۔ بازی۔ دفعہ + سایہ = چھاؤں۔ پرچھائیں۔ پناہ + رحمت = کرم۔ مہربانی + ضد = برخلاف۔ برعکس۔ بغض + کوفہ = عراق کا ایک مشہور شہر جسے حضرت علیؓ نے دار الخلافہ بنایا۔

تشریح:۔ یہ شعر تلمیح ہے اس میں سانحہ کربلا کو ایک شعری استعارے کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے کہ ایک طرف حضرت امام حسینؓ کی شرط ہے کہ سب پر اللہ کی رحمت کا سایہ ہو اور ایسا نظام قائم ہو جس میں اللہ کی جانب سے، اللہ کی مخلوق کے درمیاں اللہ کے حکم کے موافق عدل جاری کرنے میں اللہ کی نیابت کا حق ادا کرنے والی جماعت پیدا ہو۔ دوسری طرف یزید اپنی یزیدیت کے سیلاب سے خدمت الٰہیہ کے اس مقصد کو بے دردی سے پامال کر دینا چاہتا تھا۔ اس لئے عمرو بن سعد کو ابن زیاد کا خط ملا کہ یا وہ حضرت امام حسینؓ سے یزید کی بیعت کروائے ورنہ اُنھیں قتل کردے۔ چنانچہ کربلا کے مقام پر سب رفقاء کے سمیت سیدنا امام حسینؓ جام شہادت پی گئے اور ان کے سر کو جسم سے الگ کر کے نیزے کی انی پر رکھ کر اہل بیت کے سمیت کوفہ کے کوچہ وبازار میں پھیرایا گیا۔

شعر نمبر ۴: شکستگی ہوئی ظاہر تو موت لازم ہے　　　　کھلی ہواؤں کے دھارے پر پَر کُھلا رکھنا

تفہیم الفاظ:۔ شکستگی = ٹوٹ پھوٹ۔ خستگی۔ کمزوری + ظاہر ہونا۔ کھولنا۔ افشا ہونا۔ بھید کُھلنا + لازم = ضروری۔ واجب۔ فرض +

دھارے = قطار ۔ بہاؤ ۔ فوارہ + پَر = پنکھ ۔ پتّا ۔ قوت +

تشریح:۔ اس شعر میں شبیبؔ فرماتے ہیں کہ انسان کو کبھی بھی اپنی ہمت نہیں ہارنی چاہیے نہ کبھی اپنی شکستگی یا کمزوری کو ظاہر کرنا چاہیئے کیونکہ جس انسان نے بھی اپنی کمزوری کا اظہار کیا یا ہمت سے کام نہ لیا تو اس کے لئے موت ضروری ہے اس خیال کو اقبالؒ نے اس شعر میں پیش کیا ہے ۔ ہے جُرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات ۔ یعنی انسان میں سر بلندی عزم و استقلال، خودداری، عزت نفس اور بلند حوصلگی کا مادہ ہونا چاہیئے اور ان کو حاصل کرنے کے لئے طاقت، قوت اور ہمت شرط اولین ہے۔ اس کے برعکس اگر کمزوری کا اظہار کیا یا اپنی نظریں خاک راہ پر رکھیں تو پامال اور ذلیل وخوار ہوگا اور ناگہانی موت سے دوچار ہو جائے گا۔ لہذا انسان کو چاہے کہ وہ کھلی ہواؤں کے دھارے پر اپنے پَر ہمیشہ کُھلا رکھے اور اپنی پرواز میں کسی قسم کی کوتاہی کو نہ آنے دے بلکہ ہمت اور حوصلہ قائم رکھے۔

شعر نمبر۵:۔ **کسی کا ہاتھ بڑھے یا کھچے یہ اس کا نصیب ۔۔۔۔۔ ہمارا فرض ہے دست ہنر کُھلا رکھنا**

تفہیم الفاظ:۔ ہاتھ بڑھانا = ہاتھ آگے کرنا ۔ معمول سے زیادہ لینا + ہاتھ کھینچنا ۔ ترک کرنا ۔ باز آنا + نصیب = تقدیر ۔ قسمت ۔ بھاگ + فرض = اصول ۔ قانون ۔ ضروری + دست = ہاتھ + ہنر = فن ۔ کام ۔ کاریگری

تشریح:۔ شبیب کہتے ہیں کہ قدرت نے ادائے فرض کو زندگی کا نصب العین قرار دیا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ جس قدر فرائض ادا کرنے کی ہم میں ہمت موجود ہے۔ ہم ان کو ادا کر کے سعادت داریں حاصل کریں اور خداوند تعالیٰ کے اُس مقصد عظیم کو پورا کریں جس کی تکمیل کے لئے اس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ یہی اصول مد نظر رکھ کر میں اپنا فرض ذمہ داری سے نبھا رہا ہوں ۔ میں نے بلا امتیاز رنگ ونسل تمام لوگوں کے لئے اپنے ہنر مند ہاتھوں کو کُھلا رکھا ہے تا کہ ہر ایک شخص اس سے کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل کر سکے۔ اب یہ اپنی اپنی قسمت اور نصیب کی بات ہے کہ کوئی اس سے فیض حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کوئی اپنی بدقسمتی سے اس سے محروم رہ جاتا ہے

غزل نمبر۲ کی تشریح

شعر نمبر۱:۔ **کتنی بھوکی ہے کتنی پیاسی ہے ۔۔۔۔۔ زندگی دشت کربلا سی ہے**

تفہیم الفاظ:۔ بھوکی = فاقہ کش ۔ محتاج ۔ غریب + پیاسی = تشنہ ۔ خواہش مند ۔ مشتاق + زندگی = حیات ۔ عمر ۔ زیست + دشت کربلا = وہ صحرا جہاں امام حسینؑ شہید کئے گئے ۔ مصیبت کی جگہ

تشریح:۔ اس شعر میں شاعر نے صنعت تلمیح استعمال کر کے زندگی کو دشت کربلا سے تشبیہ دی ہے۔ چنانچہ آج کے اس مادہ پرستانہ اور پُرفتن دور کے تناؤ بھری زندگی اور اس کے واقعات اور حادثات کو کربلا کے واقعہ کی مناسبت سے ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح کربلا کے صحرا میں باغ رسالت کے معصوم غنچے ایک ایک پانی کے قطرے کے لئے تین روز تک ترس ترس کر پژمردہ ہو گئے تھے۔ اور اہلبیت کی گوشہ نشین خواتین کے حلق خشک ہو چکے تھے اور زبانیں پانی نہ ملنے کی وجہ سے کانٹا ہو گئی تھیں۔ یہی حال آج کل ہماری زندگی کا ہوا ہے۔ وہ بھی زمانے کے ہاتھوں بھوک اور پیاس سے سوکھ کر کانٹا ہو چکی ہے۔

**شعر نمبر۲:۔سب گئے شمع دِل جلائے ہوئے		خیمہ خیمہ بہت اُداسی ہے۔**

تفہیم الفاظ:۔شمع دَل = دل کا چراغ۔روح۔زندگی+ خیمہ = ڈیرہ۔تنبو+ اُداسی = غمی۔پریشانی۔ویرانی

تشریح:۔اس شعر میں بھی تلمیح کا استعمال ہوا ہے۔کہ کربلا میں جب سیدنا امام حسینؓ کا سر مبارک جسم اطہر سے جُدا کر کے نیزہ پر چڑھایا گیا۔ گلستان رسول کی کلیاں اور پھول ایک ایک کر کے ظلم وستم کی آندھی کے نذر ہوئے اور فاطمہ زہراؓ کا لہلہاتا ہوا باغ بے دردی کے ساتھ دو پہر کے وقت تاراج کر دیا گیا۔اہل بیت کے خیموں میں عورتیں اور چند کم عمر بچے رہ گئے تھے جنھوں نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے خاندان کو شہادت پاتے ہوئے دیکھا تھا۔اس طرح تمام خیموں میں ہر طرف اُداسی اور مایوسی چھا گئی تھی اور وحشت کی سی اُداسی ہر طرف چھائی ہوئی تھی۔

**شعر نمبر۳:۔اُس نے کتنی لطیف بات کہی		خودشناسی خداشناسی ہے**

تفہیم الفاظ:۔لطیف = نازک ۔ نرم ۔ ملائم + خودشناسی = خودکو پہچاننا +خداشناسی=خداکو پہچاننا

تشریح:۔اس شعر میں شبیب رضوی نے خودشناسی کو خداشناسی کہہ کر ایک معروف عربی زبان کا مقولہ ''مَنْ عَرَفَ نَفْسَہُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ'' کا خوبصورت ترجمہ کیا ہے یعنی جس نے خود کو پہچان لیا۔تو اُس نے خدا کو پہچان لیا ہے یا جسے اپنے نفس ناطقہ کی معرفت حاصل ہوگئی گویا اُسے خدا کی معرفت حاصل ہوگئی مطلب یہ ہے کہ خدا خود انسان کے اندر پوشیدہ ہے۔باہر تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔یعنی خدا اور خودی دونوں میں ایسی آشنائی ہے کہ ایک کو پالینے سے دوسرے کو بھی پا سکتے ہیں دونوں لازم وملزوم ہیں

**شعر نمبر۴		پھیل جائے تو اک کتاب بنے		بات کہنے میں جو ذرا سی ہے**

تفہیم الفاظ:۔ذراسی = بہت تھوڑا ۔ قلیل۔رتی بھر+پھیل جانا = چوڑا ہوجانا۔بڑھ جانا

تشریح:۔اس شعر میں شاعر پہلے والے شعر کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر چہ یہ ایک چھوٹی سی بات ہے کہ انسان اپنی انا کو پہچان لے تو خدا ملے گا۔اور اگر اس بات کو تفصیل اور وضاحت سے پیش کرنا چاہوں تو دفتر کے دفتر لکھے جا سکتے ہیں اور ایک مستقل کتاب بن جائے گی۔واضح ہو کہ انسان اس کائنات میں اللہ کا مظہر تام ہے۔اس کے اندر روح اور بدن کے علاوہ ایک اور جوہر بھی ہے جسے انا (Ego) سے تعبیر کرتے ہیں اور کوشخص اس حقیقت سے آگاہ ہو جائے وہ خود کی حقیقت سے آشنا اور آگاہ ہو سکتا ہے اور یہی آگاہی اس کے لیے خداشناسی بنتی ہے

**شعر نمبر۵		زندگی خودکشی نہ کرلے کہیں		ہر تمنا خفا خفا سی ہے**

تفہیم الفاظ:۔ خودکشی = اپنے آپ کو خود مار ڈالنا+تمنا= آرزو۔شوق+خفا= ناراض۔آزردہ+

تشریح:۔ اس شعر کا مطلب بالکل واضح ہے۔شاعر اپنی بے سروپا زندگی سے بہت عاجز آچکا ہے۔چنانچہ فرماتے ہیں کہ میری زندگی رنج والم، دکھ اور مصیبت، درد وغم کی ایک لمبی داستان بن گئی ہے اس دکھ اور مصیبت کا علاج کسی سے بن نہیں سکتا۔لاکھوں تمنائیں اور خواہشیں سینے میں قید ہو چکی ہیں کیونکہ ان کا پورا ہونے کا کوئی امکان دکھائی نہیں دیتا ہے اب زندگی اس مرحلے پر پہنچ گئی ہے۔جہاں انسان تنگ آکر

اپنا کام تمام کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اس کی آسان صورت خودکشی کے سوا اور کوئی دوسری صورت نہیں ہے۔

سوال نمبر۳:۔پہلی غزل کے دوسرے شعر میں کیوں بچوں کو گھر کُھلا رکھنے کے لئے کہا گیا؟

جواب:۔اس شعر میں شاعر نے اپنی ذہنی کشمکش کی تصویر کشی کی ہے۔ جہاں سے وہ تنگ آ کر بھاگ چکا ہے وہاں دوبارہ جانے کے امکان کو زندہ رکھا ہے۔یعنی شاعر جب گھر کے ہنگامے اور تناؤ کی حالت سے گھبرا جاتا ہے۔لہذا بہت تنگ آ کر گھر سے بھاگ جاتا ہے۔تاکہ کہیں عزلت اور تنہائی کی زندگی گزار سکے مگر اُسے معلوم ہے کہ وہ شب تنہائی اور جدائی کی رات سے بھی اُکتا سکتا ہے۔اور پھر اسی گہما گہمی اور رنج والم کی دنیا میں واپس آ جاؤنگا۔اس لئے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بچوں سے کہہ رکھا ہے۔کہ میں واپس آ جاؤں گا۔لہذا گھر کے سبھی دروازے میرے لئے کُھلے رکھنا تاکہ میں گھر کے اندر آ سکوں یعنی اُسے معلوم ہے کہ وہ باہر چین نہیں پا سکتا۔

سوال نمبر۲:۔ایسے تین اشعار قلمبند کیجئے۔جن میں واقعہ کربلا کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؟

جواب:۔حسب ذیل تین اشعار میں شاعر نے واقعۂ کربلا کی طرف اشارہ کیا ہے۔

شعر نمبر۱:۔ہماری شرط کہ ہم پر ہو سایہ رحمت — تمہاری ضد ہے کہ کوفے میں سر کھُلا رکھنا

شعر نمبر۲:۔کتنی بھوکی ہے کتنی پیاسی ہے — زندگی دشت کربلا سی ہے

شعر نمبر۳:۔سب گئے شمع دل جلائے ہوئے — خیمہ خیمہ بہت اُداسی ہے

سوال نمبر۱:۔ غزل نمبر ۱ کے شعر نمبر۳ میں شاعر نے جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے اُسے مختصر بیان کیجئے۔

جواب:۔اس شعر میں شاعر نے واقعہ کربلا کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس واقعے کو شعری استعارے کی صورت میں پیش کیا ہے۔ کیونکہ کربلا کا واقعہ انسانی روح کی جدوجہد کا ایک جاودان استعارہ ہے۔ جب بھی ظلم کی صورت حال پیدا ہوتی ہے اور انسانی روح اس کے خلاف بغاوت کرتی ہے تو اس کا موثر اور بامعنی اظہار اسی استعارے سے ممکن ہوتا ہے۔اسلام نے حق و باطل کا جو فلسفہ پیش کیا ہے۔واقعہ کربلا اُس کی جیتی جاگتی مثال ہے۔ جب یزید نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تو سب سے پہلے اہل مدینہ کا خیال آیا۔اُن سے جبریہ بیعت لینے کے لئے فرماں جاری کیا۔حضرت امام حسینؓ نے اس کا مطالبہ ٹھکرا دیا۔امام حسینؓ رحمت و ہدایت کے پیکر تھے۔مسلمانوں کا قتل عام اُنھیں مطلق پسند نہ تھا۔شرکت حکومت سے مُنہ موڑ کر مکہ معظّمہ کی طرف ہجرت کی۔ مکہ میں خلافت کی طرف دعوت دی گئی لیکن اُنہوں نے منظور نہ کیا۔مگر بے وفا کوفیوں نے متعدد خطوط کے ذریعہ سے آپ سے التجا کی کہ عراق آ کر منصب امامت قبول کر کے اُمت کو حق وصداقت کے منبر کے گرد جمع کریں۔حضرت امام حسینؓ نے کوفہ جانے کی تیاری کی چند رفیقوں اور افراد خانہ کو ساتھ لیا۔راستے میں معلوم ہوا کہ اہل کوفہ کی تلواریں یزید کے ساتھ ہیں۔تو اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اب ہمارا کوفہ میں کوئی مددگار نہیں ہے لہذا تم واپس جاؤ۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کا خون کروانا نہیں چاہتے تھے۔ جونہی وہ مقام بیضہ پہنچے وہاں ابن زیاد کی فوج امام حسینؓ کو حراست میں لینے کے لئے تیار کھڑی تھی۔نو محرم کو عمرو بن سعد کو ابن زیادہ کا خط ملا کہ وہ یا امام حسینؓ سے یزید کی بیعت کروائے ورنہ اُنھیں قتل کر دے۔ چنانچہ دسویں محرم کو جب آپ کے سب رفقاء یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے اور آخر کار سیدنا امام حسینؓ جام شہادت پی گئے اور ہمیں درس دے گئے کہ کسی ایسے

اقتدار کی اطاعت اور بیعت نہ کرو جو خدا کی بخشی ہوئی آزادی اور حقوق کی غارت گر ہو۔اور جس کے احکام کی بنیاد صداقت و عدالت کی جگہ جبر و ظلم پر ہو۔اور جو چیز تم خلاف ضمیر و ایمان دیکھو اس کے مقابلہ میں ڈٹ جاؤ چاہئے اس میں تمھیں کتنے ہی کرب و بلا میں کیوں نہ مبتلا ہونا پڑے یا اپنی جان ہی دینی پڑے۔

گرامر:۔ ﴿مشابہ فعل﴾

یہ فعل سے ملتے ہیں۔فعل کی طرح مصدر سے بنتے ہیں لیکن ان میں زمانہ نہیں ہوتا ہے۔یہ تعداد میں تین ہیں۔ ا:۔اسم فاعل ۲:۔اسم مفعول ۳:۔ اسم حالیہ

ا:۔اسم فاعل:۔اسم فاعل وہ اسم مشتق ہے جو کام کرنے والے کو ظاہر کرتا ہے۔مثلاً آنے والا۔جانے والا۔کھیلنے والا۔پوجا کرنے والا وغیرہ۔بنانے کا قاعدہ:۔مصدر کے آخری حرف ''الف'' کو گرا کر اس کی جگہ یائے مجہول (ے) لگانے کے بعد لفظ ''والا'' بڑھانے سے بنتا ہے چونکہ قاعدے کے تحت بنے ہیں اس لئے ''اسم فاعل قیاسی'' کہلایں گے۔ان کے معنی پر غور کیجئے۔ ''آنے والا'' کا مطلب ہے آنے کا کام کرنے والا+'' جانے والے'' سے جانے کا کام کرنے والا۔اور کام کرنے والے کو ''فاعل'' کہتے ہیں۔اسی طرح پجاری (پوجا کرنے والا) اور کھلاڑی (کھیلنے والا) بھی اسم فاعل ہیں مگر یہ بالکل قاعدے کے خلاف ہیں چونکہ اہل زبان سے سننے میں آیا ہے اس لئے ''اسم فاعل سماعی' کہلائیں گے اس طرح اسم فاعل کی دو قسمیں ہیں۔ ا:۔اسم فاعل قیاسی ۲:۔اسم فاعل سماعی

ا:۔اسم فاعل قیاسی وہ اسم فاعل ہے۔جو قاعدے کے ماتحت بنایا گیا ہو جیسے لکھنے والا۔پڑھنے والا+

۲:۔اسم فاعل سماعی وہ اسم فاعل ہے۔جو کسی قاعدے کے ماتحت نہ بنا ہو۔جیسے۔لکڑ ہارا۔تیراک

I:۔اسم فاعل قیاسی بنانے کا قاعدہ:۔کسی بھی مصدر کے آخری ''الف'' کو گرِا کر بقیہ کے آگے یائے مجہول (ے) کے بعد ''والا' بڑھانے سے اسم فاعل قیاسی بن جاتا ہے جیسے جانا سے جانے والا

II:۔اسم فاعل سماعی کی علامت:۔اسم فاعل سماعی میں کبھی مندرجہ ذیل لاحقے SUFFIX ہوتے ہیں۔ہارا۔یارا۔یرا۔یا۔ا۔وَ۔ہا۔وا۔ اک۔ہار۔اڑی اور دار+ جیسے:۔لکڑ ہارا۔پنسہارا+ گھسیارا+ لٹیرا۔سپیرا+ گڈریا۔گوّیا+ بنجارا بینا+ کماؤ۔دکھاؤ+ چرواہا+ لیوا۔ مردوا+ تیراک۔چالاک+ ہونہار۔جانہار۔کھلاڑی+ چوکیدار+

II:۔کبھی کبھی مندرجہ ذیل PREFIX سابقے ہوتے ہیں مثلاً ن۔نا۔بے۔بد+ جیسے نڈر۔نکما+ ناسمجھ۔نالائق+ بے جوڑ۔بے ادب+ بدزبان۔بدچلن+ اسی طرح بے شمار عربی اسم فاعل اردو میں استعمال ہوتے ہیں۔جیسے:۔مُحرر۔مدیر۔مفکر۔فاضل۔کامل۔عامل۔ منصف۔مخالف۔محسن۔مفلس۔مجرم۔شفیق۔خلیق۔ملتمس۔معتقد وغیرہ وغیرہ۔اسی طرح فارسی اسم فاعل اُردو میں استعمال ہوتے ہیں جیسے:۔رہرو۔رہزن۔زرگر۔درندہ۔مددگار۔دست کار۔پیام بر۔باغبان وغیرہ+ تُرکی زبان کے اسم فاعل بھی اُردو میں استعمال ہوتے ہیں۔جیسے باورچی۔مشعلچی۔توپچی۔خزانچی+ اسی طرح انگریزی اسم فاعل بھی اُردو میں استعمال ہوتے ہیں۔جیسے:۔لیڈر۔انسپکٹر۔سپیکر۔ ماسٹر۔ٹیلر وغیرہ وغیرہ تمام پیشہ واروں کے نام اسم فاعل ہیں جیسے نائی۔دھوبی۔تیلی۔موچی۔لوہار۔سنار وغیرہ۔کبھی کبھی ملے ہوئے دو

لفظوں سے بھی اسم فاعل بنتے ہیں۔جیسے:۔راہ چلتا۔دُودھ پیتا۔بھک منگا۔وغیرہ

۲:۔اسم مفعول:۔ کُھلا ہوا۔بنا ہوا۔دبا ہوا۔پڑا ہوا۔لکھا ہوا۔یہ سب لفظ مصدر سے بنے ہیں جیسے:۔کُھلنا۔بننا۔دبنا۔پڑنا۔لکھنا۔ان الفاظ کے معنی پرغور کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ''کُھلا ہوا'' سے وہ چیز سمجھ میں آتی ہے جس پر ''کُھولنے'' کے فاعل کے فعل کا اثر پڑ رہا ہے اسی طرح ''بنا ہوا'' سے وہ چیز سمجھ میں آتی ہے۔جس پر بنانے کے فاعل کے فعل کا اثر پڑا ہو۔اسی طرح دبا ہوا۔پڑا ہوا یا لکھا ہوا کا ہے۔ لہذا جس پر فاعل کے فعل کا اثر پڑتا ہے۔اُسے مفعول کہتے ہیں۔اور جس سے مفعول سمجھ میں آئے اُسے ''اسم مفعول'' کہتے ہیں:۔چونکہ ''کُھلا ہوا'' اور ''بنا ہوا'' سے مفعول سمجھ میں آتے ہیں۔اس لئے یہ اسم مفعول ہیں۔پس اسم مفعول وہ اسم ہے جس سے مفعول سمجھ میں آئے۔اس کے بنانے کا قاعدہ یہ ہے۔کہ مصدر کا ''نا'' ہٹانے کے بعد ''الف'' اور ''ہوا'' بڑھا دیا جاتا ہے جیسے ''کُھلنا'' سے ''نا'' ہٹایا تو ''کُھل'' رہ گیا اس کے بعد ''الف'' اور ''ہوا'' لگایا تو ''کُھلا ہوا'' بنا۔اسم مفعول کی بھی دو قسمیں ہیں:۔

ا:۔ اسم مفعول قیاسی ب:۔ اسم مفعول سماعی

ا:۔ اسم مفعول قیاسی وہ اسم مفعول ہے جو قواعد کے مطابق بنایا گیا ہو جیسے دَبا ہوا یا پڑا ہوا۔

۲:۔اسم مفعول سماعی وہ اسم مفعول ہے جو اہل زبان سے سُننے میں آیا ہے۔جیسے مجروح۔مقتول۔مظلوم

ا:۔عربی زبان کے بے شمار اسم مفعول اردو میں رائج ہیں جیسے مجروح۔مقتول۔مظلوم۔مکرم۔معظم۔مشکور۔منظور۔مکتوب۔مشہور۔ معروف۔متروک۔مجذوب۔مکمل۔مستحکم وغیرہ وغیرہ

ب:۔اسی طرح فارسی زبان کے بے شمار اسم مفعول اُردو میں استعمال کئے جاتے ہیں جیسے:۔رنجیدہ۔خستہ۔پختہ۔آزمودہ۔آزردہ۔ فریفتہ۔بوسیدہ۔شگفتہ۔غم زدہ۔خون آلودہ۔شاہ زادہ وغیرہ وغیرہ۔

ج:۔حاصل مصدر سے بنائے گئے چند اسم فاعل اور اسم مفعول ذیل میں مشق کے لئے دیئے گئے ہیں۔

حاصل مصدر	اسم فاعل	اسم مفعول	حاصل مصدر	اسم فاعل	اسم مفعول
قتل	قاتل	مقتول	عقل	عاقل	معقل
ظلم	ظالم	مظلوم	قہر	قہار	مقہور
عبادت	عابد	معبود	جہل	جاہل	مجہول
رحمت	راحم	مرحوم	ہجر	ہاجر	مہجور
غلبہ	غالب	مغلوب	جراحت	جراح	مجروح
مدح	مداح	ممدوح	کتابت	کاتب	مکتوب
حمد	حامد	محمود	مغفرت	غفور	مغفور
حفاظت	حافظ	محفوظ	نقش	نقاش	منقوش

حساب	محاسب	محسوب	رقم	راقم	مرقوم
سجدہ	ساجد	مسجود	حسد	حاسد	محسود
طلب	طالب	مطلوب	ذکر	ذاکر	مذکور
نقل	ناقل	منقول	رشوت	راشی	مرتشی
علم	عالم	معلوم	جبر	جابر	مجبور
تخلیق	خالق	مخلوق	خدمت	خادم	مخدوم
نظر	ناظر	منظور	محاصرہ	مُحاصر	محصور
حجاب	حاجب	محجوب	عمل	عامل	معمول
ترک	تارک	متروک	تعلیم	مُعلِّم	متعلم
تحصیل	مُحصّل	محصول	جذب	جاذب	مجذوب
نصرت	ناصر	منصور	انتظار	مُنتظِر	مُنتظَر

جگنو

ڈاکٹر شیخ محمد اقبالؔ کی حیات اور ادبی کارنامے پر نوٹ لکھیئے۔؟

علامہ اقبالؔ کے آباواجداد کشمیر سے آ کر سیالکوٹ میں آباد ہو گئے تھے۔ اُن کے والد شیخ نور محمد بڑے نیک اور اللہ والے بزرگ تھے۔ اُن کے دو بیٹے عطا محمد اور محمد اقبال تھے۔ یہی محمد اقبال آگے چل کر ایشیاء کے سب سے بڑے شاعر مانے گئے۔ علامہ اقبال ۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ نور محمد نے اپنے بچوں کو اُردو، فارسی اور انگریزی تعلیم دلوائی۔ عطا محمد انجینئر بن گئے اور اقبال نے اسکاچ مشن کالج سیالکوٹ سے ایف اے کا امتحان پاس کیا۔ عربی اور انگریزی زبانوں میں امتیازی کامیابی حاصل کی جس کی وجہ سے انھیں تمغے بھی ملے۔ اور وظیفہ بھی دیا گیا۔ گورنمنٹ کالج سے بی۔ اے کرنے کے بعد اقبال نے ۱۸۹۹ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے فلسفہ میں ایم۔ اے کی سند حاصل کی اور کچھ عرصہ بعد اورینٹل کالج لاہور میں فلسفہ اور انگریزی کی تعلیم دیتے رہے پھر ۱۹۰۵ء میں یورپ چلے گئے۔ جہاں تقریباً تین سال رہے۔ اس عرصے میں اُنھوں نے جرمنی کی میونک یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور لندن میں وکالت یعنی ایل۔ ایل۔ بی کی اعلیٰ ڈگری بھی حاصل کی۔ ۱۹۰۸ء میں وطن واپس آئے اور وکالت کرنے لگے۔

اقبال کو شعری کا شوق وذوق شروع سے ہی تھا۔ لاہور کے مشاعروں میں شریک ہونے لگے تو ہر طرف شہرت ہو گئی۔ حضرت داغؔ دہلوی ڈاک کے ذریعے آپ کے کلام کی اصلاح کر کے ان کو حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ اقبال کا شمار دنیا کے چند بلند پایہ شعراء میں ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف ایک عظیم شاعر تھے بلکہ بلند پایہ فلسفی، روشن خیال انسان، مفکرِ اعظم اور حکیم الامت بھی تھے۔ انہوں نے حالیؔ، شبلیؔ اور اکبرؔ کے

اصلاحی کام کو تکمیل تک پہنچایا اور ایک نیا فلسفہ زندگی بیان کیا ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر چنے گئے اور اسی سال گول میز کانفرنس لندن میں شمولیت کی ۱۹۳۲ء میں انگریزی سرکار نے ''سر'' کا خطاب عطا کیا۔ ان کی شاعری میں ہمیں عمل، تلاش و جستجو، ایک درس اور جدوجہد کا پیغام ملتا ہے۔ اُن کی تصنیفات میں بانگ درا۔ بال جبریل۔ ضرب کلیم۔ ارمغان حجاز۔ اسرار خودی۔ رموز بے خودی اور زبور عجم زیادہ مشہور ہیں۔ ان کی شاعری نے ہندی مسلمانوں میں ایک نئی اور تازہ رُوح پھونک دی اور اُنھیں ایک زندہ قوم بنا کر عمل اور جدوجہد کی راہ پر گامزن کیا۔ ۱۹۳۵ء میں اُن کی بیگم صاحبہ کا انتقال ہوا۔ جس کا دل پر بہت گہرا صدمہ ہوا۔ آنکھوں میں موتیا بن اُتر آیا اور کچھ دنوں کے بعد سانس پُھولنے لگی۔ ۱۹۳۷ء میں طبیعت زیادہ بگڑ گئی۔ قلب بہت کمزور ہو گیا۔ بہت علاج کرنے کے باوجود صحت یاب نہ ہوئے اور آخر کار ۶۱ سال کی عمر میں ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو دنیا کے عظیم شاعر اور مفکر کی زندگی کا سفر ختم ہوا۔ شاہی مسجد لاہور کے احاطے میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ اس طرح سے ساز خاموش ہو گیا مگر نغمے آج بھی زندہ ہیں اور قیامت تک گونجتے رہیں گے

نظم ''جگنو'' پر مختصر تبصرہ:۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہر چھوٹی بڑی چیز کو خصوصیتوں سے نوازا ہے۔ جگنو ہو یا پروانہ چاند ہو یا ستارہ۔ پھُول ہو یا شبنم کوئی بھی چیز فضول نہیں ہے۔ مخلوقات کو امن و امان اور اخوت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ یہ پوری نظم ''جگنو'' ڈاکٹر سر محمد اقبال کے تخیل کی بلندی پر شاہد ہے۔ اس کے پہلے بند میں لفظی خوبیاں یعنی تشبیہات اور استعارات پائی جاتی ہیں اور تیسرے بند میں معنی کی خوبیاں یعنی تصوف کی تعلیمات نظر آتی ہیں۔ یہ نظم چونکہ تصوف کے مطابق ہے اس لئے بہت اہم ہے۔ اس میں بنیادی خیال یہ ہے کہ اس کائنات کی ہر شئے میں خدا کا جلوہ پوشیدہ ہے۔ جو دراصل تو نظر آتا ہے مگر دنیا کی بجلی کی روشنی نے ہماری نگاہوں کو اس قدر خیرہ کر دیا ہے کہ ٹی وی، لیپ ٹاپ، انٹرنیٹ، موبئیل اور فلمی ستارے کے علاوہ اب کسی کو کچھ نظر نہیں آتا ہے۔ واضح ہو کہ یہ بنیادی خیال تصوف کی روح ہے اور اس کی تعلیمات کا بس خلاصہ یہی ہے کہ کائنات میں خدا کے سِوا کسی کا وجود حقیقی نہیں ہے اور ہر شے میں اُسی کا جلوہ ہے۔ ساری کائنات اس کی صفات کا مظہر ہے۔ ہر چہ بینی ندانکہ مظہر اُوست۔

نظم ''جگنو'' کی تشریح:۔

بند نمبر ا:۔ جگنو کی روشنی ہے کہ شانہ چمن میں — یا شمع جل رہی ہے پھُولوں کی انجمن میں

تفہیم الفاظ:۔ جگنو = ایک اڑنے والا کیڑا جس کے جسم سے رات کے وقت روشنی نکلتی ہے۔ + کاشانہ مکان = کمرہ۔ آشیانہ + کاشانہ چمن = چمن۔ پھلواڑی۔ پھولوں کا باغ + انجمن = مجلس۔ محفل۔

تشریح:۔ اس بند کے پہلے شعر میں علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ باغ کے صحن میں جگنو چمک رہا ہے یا پھولوں کی محفل میں شمع جل رہی ہے۔ اس طرح جگنو کی روشنی پھولوں کے چمن میں ہے۔

شعر نمبر ۲:۔ آیا ہے آسماں سے اُڑ کر کوئی ستارہ — یا جان پڑ گئی ہے مہتاب کی کرن میں

تفہیم الفاظ:۔ ستارہ = تارا + جان پڑنا = تازگی حاصل ہونا۔ رونق آجانا + مہتاب = چاند + کرن = شعاع

تشریح:۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ جگنو کی روشنی دیکھ کر سب حیرت میں پڑ گئے ہیں کہ کیا آسمان سے کوئی ستارہ اڑ کر باغ میں آ گیا ہے یا چاند کی کرن میں نئی جان پڑ گئی کہ اُسکی چمک دوبالا ہوگئی۔

شعر نمبر۳:۔ یا شب کی سلطنت میں دن کا سفیر آیا   غربت میں آ کے چمکا گمنام تھا وطن میں

تفہیم الفاظ:۔ شب=رات۔رین + سلطنت=حکومت۔عمل داری + سفیر=ایلچی۔قاصد + غربت=مسافرت۔پردیس + گمنام=بے نام ونشان + وطن=پیدائش کی جگہ

تشریح:۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ جگنو کی رُوشنی کو دیکھ کر سب یہ کہنے لگے کہ رات کی سلطنت میں دن کا ایلچی یا قاصد آیا ہے جو اپنے دیس میں گمنام تھا اور یہاں پردیس میں آ کر چمکنے لگا ہے۔تبھی تو ایسی چمک دار روشنی باغ میں چاروں طرف بکھر گئی ہے۔

شعر نمبر۴:۔ تکمہ کوئی گرا ہے مہتاب کی قبا کا   ذرہ ہے یا نمایاں سورج کے پیرہن میں

تفہیم الفاظ:۔ تکمہ=گھنڈی، کپڑے یا دھاگے کا وہ بٹن جس سے گریباں بند کیا جاتا ہے + مہتاب=چاند۔چاندنی + قبا=ایک طرح کا کوٹ جو آگے سے کھُلا رہتا ہے + پیرہن=پیراہن کا مخفف۔لباس۔پوشاک

تشریح:۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ جگنو کو دیکھ کر ایسا لگ رہا ہے جیسے چاند کی قبا کا کوئی بٹن گر پڑا ہے یا ایسا لگ رہا ہے جیسے کوئی ذرہ سورج کا لباس پہن کر جگمگا رہا ہے۔

شعر نمبر۵:۔ حُسن قدیم کی یہ پوشیدہ اک جھلک تھی   لے آئی جس کو قدرت خلوت سے انجمن میں

تفہیم الفاظ:۔ حُسن=خوبصورتی۔خوبی + قدیم=ازلی جس کی کوئی ابتدا نہ ہو۔ہمیشہ کا + جھلک=روشنی۔چمک۔پَرتو + خلوت=تنہائی۔پوشیدگی + انجمن=محفل۔مجلس۔آسمان

تشریح:۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کی کیا یہ خدا کے جلوے کی ایک چھپی ہوئی جھلک تھی جسے اللہ کی قدرت اُوپر کے جہاں یعنی آسمانوں کی تنہائی سے دنیا کی محفل میں لے آئی ہے۔

شعر نمبر۶:۔ چھوٹے سے چاند میں ہے ظلمت بھی رُوشنی بھی   نکلا کبھی گہن سے آیا کبھی گہن میں

تفہیم الفاظ:۔ ظلمت=تاریکی۔اندھیرا + روشنی=نور۔چمک + گہن=گرہن۔داغ۔عیب

تشریح:۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ یہ جگنو گوایک چھوٹا سا چاند ہے جس میں اندھیرا بھی ہے اور اُجالا بھی ہے۔کبھی اِسے گہن لگ جاتا ہے اور کبھی یہ گہن سے نکل آتا ہے یعنی جب یہ پروں سے دُم کو چھُپا لیتا ہے تو اندھیرا ہو جاتا ہے اور جب اُڑتا ہے دم کے چمکنے سے روشنی ہو جاتی ہے۔

شعر نمبر۷:۔ پروانہ اک پتنگا جگنو بھی اک پتنگا   وہ روشنی کا طالب یہ روشنی سراپا

تفہیم الفاظ:۔ پروانہ=ایک پَر دار کیڑا جو ہوا میں اُڑتا ہے۔نور کا دیوانہ + پتنگا=پردار کیڑا جو ہوا میں اُڑتا ہے + طالب=چاہنے والا۔مشتاق + سراپا=سر سے لیکر پاؤں تک۔بالکل مکمل۔

تشریح:۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ پتنگا ہونے کے لحاظ سے تو پروانہ اور جگنو دونوں برابر ہیں لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ پروانے کو روشنی کی طلب و تلاش ہے اور وہ اس کے عشق میں گرفتار ہو کر اس پر اپنی جان دیتا ہے۔ مگر جگنو آپ ہی سر سے پاؤں تک روشنی ہے یعنی روشنی سے مالا مال ہے۔ یہ اللہ کی قدرت کا کمال ہے۔

شعر نمبر ۸:۔ ہر چیز کو جہاں میں قدرت نے دلبری دی پروانہ کو تپش دی جگنو کو روشنی دی

تفہیم الفاظ:۔ دلبری = کشش۔ دل کو موہ لینے والی چیز + تپش = اضطراب، بے قراری۔ سوزش۔ جلن

تشریح:۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ خدا نے دنیا میں ہر شے کو کوئی نہ کوئی دل کشی، حسن اور خصوصیت اور جوہر عطا کیا ہے۔ جیسے پروانے کو شمع کے عشق میں تڑپ بخشی ہی ہے اور جگنو کو نور عطا کیا ہے اور چمکا کر چراغ بنا دیا ہے۔ یہ خدا کی قدرت کی کاریگری ہے۔

شعر نمبر ۹:۔ رنگین نوا بنایا مُرغان بے زبان کو گل کو زبان دے کر تعلیم خامشی دی

تفہیم الفاظ:۔ رنگین نوا = دل کو خوش کرنے والی آواز + مُرغ = پرندہ + گل = پھول + خامشی = سکوت

تشریح:۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ خدا نے دنیا میں بے زبان پرندوں کو بے حد سریلی اور موہنی آواز عنایت کی۔ یعنی بلبل، مینا، قمری، کوئل اگرچہ بے زبان ہیں۔ لیکن ان کی آواز نہایت سُریلی اور دل کش ہے۔ پھول کے پاس بہت سی زبانیں ہیں لیکن خاموش ہے۔ یعنی پھول کو زبان دے کر چُپ رہنا سکھا دیا۔ (پھول کی پنکھڑی کو زبان سے تشبیہ دی گئی ہے)

شعر نمبر ۱۰:۔ نظارہ شفق کی خوبی زوال میں تھی چمکا کے اس پری کو تھوڑی سی زندگی دی

تفہیم الفاظ:۔ شفق = غروب آفتاب کے وقت آسمان پر نمودار ہونے والی سُرخی

تشریح:۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو اس وقت آسمان کے کناروں پر ایک سُرخی ظاہر ہوتی ہے جس کو شفق کہتے ہیں اور شفق کے سمے کی خوبی اسی میں ہے کہ وہ جلد غائب ہو جاتی ہے۔ اسی لئے اس پری کو بہت تھوڑی عمر دی ہے۔

شعر نمبر ۱۱:۔ رنگین کیا سحر کو بانکی دلہن کی صورت پہنا کے لال جوڑا شبنم کی آرسی دی

تفہیم الفاظ:۔ سحر = طلوع فجر سے پہلے کا وقت + بانکی = بھولی بالی۔ البیلی + دلہن = عروس۔ زوجہ۔ بہت آراستہ + صورت = شکل۔ روپ + شبنم = اُوس + آرسی = آئینہ۔ شیشہ جڑا زیور۔

تشریح:۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ رات کے بعد اس کی تاریکی کو ختم کر کے صبح کو خوبصورت دلہن کی طرح رنگین کر دیا اور اُسے سُرخ رنگ کا لباس پہنا کر شبنم کی آرسی دے دی۔

شعر نمبر ۱۲:۔ سایہ دیا شجر کو پرواز دی ہوا کو پانی کو دی روانی موجوں کو بے کلی دی

تفہیم الفاظ:۔ سایہ = چھاؤں۔ پرچھائیں + شجر = درخت۔ جس میں تنا ہو + پرواز = اُڑان۔ پہنچ + روانی = بہاؤ۔ تیزی + موج = پانی کی لہر + بے کلی = بے قراری۔ بے چینی

تشریح:۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ اللہ نے کائنات میں ہر شے کو جُدا گانہ خاصیت دے دی درخت کو سایہ دیا۔ ہوا کو اُڑنے کی قوت دی۔

پانی کو چلنا اور لہروں کو بے قراری بخشی۔

شعر نمبر ۱۳:۔ یہ امتیاز لیکن اک بات ہے ہماری　　　جگنو کا دن وہی ہے جو رات ہے ہماری

تفہیم الفاظ:۔ امتیاز=فرق۔تمیز۔پہچان + دن=رُوز۔وقت + رات=شب۔رین

تشریح:۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ خدا نے دنیا میں ہر شے میں کوئی نہ کوئی دل کشی، حُسن اور خاصیت دی ہے لیکن یہ فرق اور اختلاف ہمیں نے قائم کیے ہیں۔حُسن اور خوبصورتی ہر جگہ ایک ہے مگر ان کے جلوے مختلف ہیں جگنو کا دن وہی ہے جسے ہم رات کہتے ہیں۔

شعر نمبر ۱۴:۔ حُسنِ ازل کی پیدا ہر چیز میں جھلک ہے　　　انسان میں وہ سخن ہے غنچے میں وہ چٹک ہے

تفہیم الفاظ:۔ اَزل=وہ زمانہ جس کی ابتدا معلوم نہ ہو یعنی آغاز خلقت کا زمانہ + جھلک=عکس۔پرتو۔روشنی + سخن=کلام۔بات + غنچہ=کلی۔بے کِھلا پھُول + چٹک=ٹوٹنے کی آواز۔

تشریح:۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں جو بھی چیز ہے اس میں ازل کا نور جھلک رہا ہے۔یعنی سب چیزیں نور مطلق سے پیدا ہوئی ہیں۔اگرچہ ان کی شکلیں، وضع قطع اور اوصاف الگ الگ ہو گئے ہیں۔اسی نور مطلق نے انسان میں بولنے کا لباس پہنا۔اور کلی میں پہنچا تو اس نے چٹک کی شکل اختیار کی یعنی جس طرح بولنا انسان کا ممتاز وصف ہے اسی طرح چٹکنا کلی کی خاصیت ہے۔بنیادی مطلب یہی ہے کہ خدا نے ہر چیز کو اپنی اپنی خصوصیت سے نوازا ہے۔

شعر نمبر ۱۵:۔ یہ چاند آسمان کا شاعر کا دل ہے گویا　　　واں چاندنی ہے جو کچھ یاں درد کی کسک ہے

تفہیم الفاظ:۔ گویا=غالباً۔ہوبہو۔مانند + یاں=یہاں + واں=وہاں + کسک=ٹیس۔ہلکا سا درد

تشریح:۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ یہ آسمان پر جو چاند ہے۔یہی شاعر کے پہلو میں ٹیس کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔یعنی وہ نورِ ازل جو چاند میں چاندنی بنا۔وہ شاعر کے دل میں درد بن گیا۔چاند کا حُسن چاندنی ہے۔اور شاعر کے دل کا حُسن انسانوں کا درد ہے۔

شعر نمبر ۱۶:۔ اندازِ گفتگو نے دھوکے دیئے ہیں ورنہ　　　نغمہ ہے بوئے بلبل بُو پھول کی چہک ہے

تفہیم الفاظ:۔ گفتگو÷بات چیت۔بول چال + نغمہ=راگ۔گیت + بو=مہک۔خوشبو + چہک=آواز

تشریح:۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں نے بات چیت کا جو طریقہ اختیار کر رکھا ہے اسی نے سب کو دھوکے میں ڈال دیا ہے۔ورنہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ بلبل کی فریاد خوشبو ہے۔اور پھول کی خوشبو اُس کا چہکنا ہے۔مطلب یہ ہے کہ ہر شے کی حقیقت ایک ہے۔تو بلبل کے نغمے کو خوشبو اور پھول کی خوشبو کو چہک قرار دینے میں کیوں تامل ہو۔

شعر نمبر ۱۷:۔ کثرت میں ہو گیا ہے وحدت کا راز مخفی　　　جگنو میں جو چمک ہے وہ پھُول میں مہک ہے

تفہیم الفاظ:۔ کثرت=افراط۔بہتات + وحدت=یکسانیت + مخفی=پُوشیدہ + راز=بھید

تشریح:۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ وحدت کا بھید کثرت میں چھُپ گیا ہے۔یعنی ایک نور مطلق نے ہزاروں شکلیں اختیار کر لیں اور حقیقت اس طرح پوشیدہ ہو گئی ہے کہ ہر آنکھ کو نظر نہیں آتی اور نہ ہر دل کو محسوس ہوتی ہے۔اگر حقیقت پر نظر رکھی جائے تو جو نور جگنو میں چمک

بنا ہوا ہے اسی نور نے پھول میں خوشبو کی شکل اختیار کر لی ہے۔

شعر نمبر ۱۸:۔ یہ اختلاف پھر کیوں ہنگاموں کا محل ہو ہر شے میں جب کہ پہناں خاموشی ازل ہو

تفہیم الفاظ:۔ ہنگامہ=شورش۔فساد + پنہاں=پوشیدہ + ازل=وہ زمانہ جسکی کوئی ابتدا نہ ہو

تشریح:۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ جب حقیقت ایک ہے اور ہر چیز میں ازل کی خامشی چھپی ہوئی ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اختلاف کو شور وغوغا کا مقام کیوں بنا لیا گیا ہے۔ ہر شے میں ازل کی خامشی تھی۔ ہنگامہ کوئی نہ تھا۔ ہنگامے اسی وقت پیدا ہوئے جب مختلف چیزیں بنیں اور ان کا اختلاف باہم ٹکراؤ کا سبب بن گیا۔ بنیادی تصور اس شعر کا یہ ہے کہ وحدت (ذات باری) اس دنیا کی کثرت (مخلوقات) میں پوشیدہ ہوگئی ہے ورنہ وہی ایک ذات جو جگنو میں چمک رہی ہے وہی پھُول میں مہک رہی ہے۔ جب حقیقت یہ ہے کہ اُس ذات واحد کے علاوہ اور کسی کا وجود نہیں تو پھر مظاہر فطرت کا اختلاف باہمی ہنگاموں کا سبب نہیں ہونا چاہئے۔یعنی انسانوں کو ایک دوسرے سے نفرت یا دشمنی کرنی زیبا نہیں ہے۔ کیونکہ ہر انسان میں اسی ذات باری تعالیٰ کا جلوہ پُوشیدہ ہے۔

سوال نمبر ا:۔ نظم جگنو کا خلاصہ مختصر الفاظ میں لکھئے۔

جواب۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے ءاپنی نظم جگنو میں کثرت میں وحدت کا راز خوبصورت مثالیں دے کر سمجھایا ہے۔اس نظم کے آغاز میں جگنو کے لئے مختلف تشبیہیں جمع کی گئی مثلاً پھولوں کی انجمن کی شمع، آسمان کا ستارہ زمین پر اُتر آیا، چاند کی کرن میں جان پڑ گئی اور اُڑنے لگی، دن کا سفیر رات کی سلطنت میں بھیجا گیا، چاند کی قبا کا بٹن، ذرے نے سورج کا لباس پہن لیا ہے یعنی یہ جگنو چھوٹا سا چاند ہے اس میں روشنی بھی ہے اور تاریکی بھی ہے۔ جب اپنی دم کو اپنے بازوؤں میں چھُپا لیتا ہے تو تاریکی ہو جاتی ہے اور جب اُڑتا ہے تو اس کی دُم چمکنے لگتی ہے دیکھنے میں پروانہ اور جگنو دونوں پتنگے ہی ہیں لیکن خدا کی قدرت دیکھیئے کہ پروانہ روشنی کا طالب ہے اور جگنو خود رُوشنی ہے اللہ نے ہر میز میں کوئی نہ کوئی خاصیت دی ہے پروانہ کو چراغ کا سودا ہے۔ جگنو مجسم چراغ ہے۔بلبل اور کوئل اگر چہ بے زبان ہیں لیکن اُن کی آواز نہایت سریلی ہے گل کے پاس بہت سی زبانیں ہیں لیکن خاموش۔شفق کتنی خوبصورت ہے مگر عمر بہت تھوڑی ہے، سحر کو خوبصورت بنایا۔ ہوا چلتی رہتی ہے پانی بہتا رہتا ہے۔مُوجیں اُٹھتی رہتی ہیں۔حقیقت حال یہ ہے کہ دنیا کی ہر شے میں خدا کا جلوہ نظر آتا ہے بالفاظ دیگر خدا کی صفات کا جلوہ مختلف چیزوں میں مختلف شکلوں میں دکھائی دیتا ہے۔ جو چیز انسان میں گویائی ہے وہی شے غنچہ میں چٹک ہے۔ چاند کی چاندنی میں اس کی قدرت کا جو کرشمہ نظر آتا ہے وہی کرشمہ شاعر کے دل میں کسک بن کر ظاہر ہوتا ہے۔بلبل کے نغمہ میں بھی وہی پوشیدہ ہے اور پھول کی خوشبو میں بھی وہی مخفی ہے۔ وحدت زات باری اس دنیا کی کثرت مخلوقات میں مخفی ہوگئی ہے۔ جب حقیقت یہ ہے کہ ذات واحد کے علاوہ اور کسی کا وجود نہیں ہے تو پھر مظاہر فطرت کا اختلاف باہمی ہنگاموں کا سبب نہیں ہونا چاہئے یعنی انسانوں کو ایک دوسرے سے نفرت یا دشمنی کرنی زیبا نہیں دیتا ہے کیونکہ ہر انسان میں اسی کا جلوہ پوشیدہ ہے

سوال نمبر ۴:۔"وحدت میں کثرت" سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔ ڈاکٹر علامہ اقبال نے فرمایا کہ اس دنیا میں جو بھی چیز ہے اس میں ازل کا نور جھلک رہا ہے یعنی سب چیزیں نور مطلق سے پیدا

ہوئی ہیں اگر چہ ان کی شکلیں اور اوصاف الگ الگ ہو گئے یہی نور چاند کی چاندنی ہے اور یہی شاعر کے دل کا درد بن گیا یہی نور انسان کو بولنے کی طاقت دیتا ہے اور کلی کو چٹک سے نوازتا ہے اس طرح وحدت کا بھید کثرت میں چھپ گیا ہے یعنی اس نور مطلق نے ہزاروں شکلیں اختیار کرلیں اور حقیقت پوشیدہ ہوگئی ہے کو ہر آنکھ کو نظر نہیں آتی نہ ہر دل کو محسوس ہوتی ہے اس کا بنیادی خیال یہی ہے کہ اس کائنات کی ہر شے میں خدا کا جلوہ پوشیدہ ہے۔ یہ خیال تصوف کی روح ہے اور خلاصہ یہی ہے کہ کائنات میں خدا کے سوا کسی کا وجود حقیقی نہیں ہے اور ہر شے میں اسی کا جلوہ نمایاں ہے۔

سوال نمبر۵:۔ ان اشعار میں سے تشبیہں تلاش کیجئے۔

ذرہ ہے یا نمایاں سورج کے پیرہن میں	تکمہ کوئی گرا ہے مہتاب کی قبا کا
پہنا کے لال جوڑا شبنم کی آرسی دی	رنگیں کیا سحر کو بانکی دلہن کی صورت

جواب:۔ تشبیں یہ ہیں:۔ مہتاب کی قبا۔سورج کے پیرہن۔دلہن کی صورت۔شبنم کی آرسی

سوال:۔ تشبیہ (SIMILE) کسے کہتے ہیں؟

جواب:۔ تشبیہ کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کو کسی چیز کے مشابہ یا ہم شکل قرار دینا۔مثالاً یاقوت جیسے ہونٹ۔چاند سا چہرہ اور پتھر جیسا دل وغیرہ وغیرہ۔تشبیہ میں چار ارکان کا ہونا ضروری ہے (۱) مُشبہ:۔ جس چیز کو تشبیہ دی جائے (۲) مُشبہ بہ:۔ وہ چیز جس سے تشبیہ دی جائے (۳) حرف تشبیہ:۔ جس سے معلوم ہو کہ تشبیہ دی گئی (۴) وجہ تشبیہ:۔ وہ وصف جس کے لئے تشبیہ دی گئی ہے۔

نظم "مفلسی" از نظیر اکبرآبادی

سوال:۔نظیر اکبرآبادی کی حیات اور شاعری پر ایک مختصر نوٹ لکھئے؟

جواب:۔ان کا اصلی نام ولی محمد تھا۔اور نظیر تخلص کرتے تھے۔والد کا نام محمد فاروق تھا۔جن کا انتقال نظیر کے بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔احمد شاہ ابدالی کے زمانہ میں دلی چھوڑ کر اپنے خاندان کے ساتھ آگرہ آئے اور اکبرآبادی ہو گئے یہاں لالہ بلاس رام کے یہاں معلّمی کرتے رہے اور شاعری بھی کرتے رہے ان کی صحیح تاریخ پیدائش معلوم نہیں ہے قرین قیاس یہی ہے کہ ان کی پیدائش ۱۷۳۵ء کو دہلی میں ہوئی اور ان کا انتقال ۹۵ سال کی عمر پا کر ۱۸۳۰ء میں ہوا۔اس طرح ایک طویل عمر پائی تھی اور ضعیفی میں ان پر فالج گرا تھا۔نظیر کی آزاد زندگی میں شاعری کو نئی راہوں پر جانے کا خوب موقعہ ملا۔پابندیوں کی کمی،معیار کی قید سے آزادی،زبان کی لطافتوں کے جھگڑے سے نجات حاصل ہونے کی وجہ سے نظیر کو اپنی شاعری کی دنیا کو وسیع کرنے کا موقعہ بھی مل سکا۔اور انہوں نے غزل سے ہٹکر نظموں پر اپنی ساری توجہ صرف کردی۔کلیات نظیر کی چند نظمیں ایسی معلوم ہوتی ہیں۔جن میں افلاس کی زندگی کو فطرت کی رعنائیوں کے ساتھ دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے ان میں زندگی کی تکلیفوں کی تصویر کھینچی گئی ہے لیکن جن نظموں کی وجہ سے نظیر کا نام زندہ رہا وہ ان کی واعظانہ اور ناصحانہ نظمیں ہیں۔

نظم ''مفلسی'' کی تشریح

بند نمبر ۱:۔ جب آدمی کے حال پہ آتی ہے مفلسی کس کس طرح سے اُس کو ستاتی ہے مفلسی
پیاسا تمام رُوز بٹھاتی ہے مفلسی بھوکا تمام رات سُلاتی ہے مفلسی
یہ دُکھ وہ جانے جس پہ کہ آتی ہے مفلسی

تفہیم الفاظ:۔ حال = زمانۂ موجودہ۔ حالت کیفیت + مفلسی = غریبی۔ تنگ دستی۔ ناداری +

تشریح:۔ اس نظم میں نظیر اکبر آبادی نے مفلسی سے پیدا ہونے والی مصیبتوں کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اس بند میں وہ فرماتے ہیں کہ جب انسان کی حالت پر ناداری اور تنگ دستی آجاتی ہے تو وہ طرح طرح سے اُس کو ستاتی رہتی ہے۔ نہ دن کو پانی ملتا ہے اور نہ رات کو کھانا ملتا ہے بلکہ انسان کو بھوکا پیاسا سلاتی ہے۔ اور اس دُکھ اور مصیبت کی زندگی میں غریبی کی وجہ سے انسان کو جو دکھ اور مصیبتیں جھیلنی پڑتی ہیں وہ ایک مفلس ہی جانتا ہے۔

بند نمبر ۲:۔ مفلس کی کچھ نظر نہیں رہتی ہے آن پر دیتا ہے اپنی جان وہ ایک ایک نان پر
ہر آن ٹوٹ پڑتا ہے روٹی کے خوان پر جس طرح کتے ٹوٹتے ہیں استخوان پر
ویسا ہی مفلسوں کو لڑاتی ہے مفلسی

تفہیم الفاظ:۔ آن = نشان وشوکت ۔ لمحہ۔ ساعت + جان = رُوح۔ زندگی + نان = روٹی۔ تنور کی روٹی + خوان = تھال ۔ دسترخواں + استخوان = ہڈی۔ گھٹلی + مفلس = غریب۔ نادار +

تشریح:۔ نظم کے اس دوسرے بند میں نظیر اکبر آبادی فرماتے ہیں کہ جب انسان پر مفلسی یعنی غریبی آتی ہے تو انسان اُس وقت اپنی شان وشوکت اور عزت کی کوئی پروا نہیں کرتا یعنی وہ اپنی خودی کو کھو دیتا ہے۔ اپنی روزی روٹی کے لئے محنت ومشقت کرتا ہے اور اس پیٹ کے لئے بُرے کام بھی سرانجام دیتا ہے۔ جس سے اُس کی عزت مٹی میں مل جاتی ہے۔ وہ ایک روٹی کے لئے جان تک دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ جب انسان کو بھوک ستاتی ہے تو وہ بے تاب ہو کر دسترخوان پر اُس طرح ٹوٹ پڑتا ہے۔ جس طرح کتے ہڈیوں کو دیکھ کر اُن پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور اس کی حالت ایسی بھی ہوتی ہے کہ بھوک اُن کو آپس میں لڑاتی ہے۔

بند نمبر ۳:۔ کیسا ہی آدمی ہو پر افلاس کے طفیل کوئی گدھا کہے اِسے ٹھہرا دے کوئی بیل
کپڑے پھٹے تمام بڑھے بال پھیل پھیل منہ خشک دانت زرد بدن پر جما ہے میل
سب شکل قیدیوں کی بناتی ہے مفلسی

تفہیم الفاظ:۔ افلاس = غریبی۔ غربت + طفیل = ذریعہ۔ بدولت + بدن = جسم + میل = بدن کا میل

تشریح:۔ نظم کے اس تیسرے بند میں نظیر اکبر آبادی فرماتے ہیں کہ آدمی کیسا بھی ہو اگر اس پر غریبی اور تنگ دستی آتی ہے تو اس کی اپنی ذات کی قدر ختم ہو جاتی ہے۔ اس مفلسی کی وجہ سے کوئی اُسے گدھا کہتا ہے اور کوئی بیل کے نام سے پکارتا ہے۔ اس کے کپڑے پرانے اور پھٹے

ہوئے ہوتے ہیں۔اوراُس کے بال سوکھے اور بکھرے بکھرے ہوئے ہوتے ہیں اُس کا مُنہ خشک ہوتا ہے۔اور بدن پر زرد رنگ کا میل جما ہوتا ہے اُس کی شکل پہنچانی نہیں جاتی گویا کہ مفلسی ایک آدمی کی شکل وصورت قیدیوں جیسی بناتی ہے۔

بند نمبر۴:۔ دنیا میں لے کے شاہ سے اے یاروتا فقیر   خالق نہ مفلسی میں کرنے کسی کو اُسیر

اشرف کو بناتی ہے اک آن مین فقیر   کیا کیا میں مفلسی کو خرابی کہوں نظیر

وہ جانے جس کے دل کو جلاتی ہے مفلسی

تفہیم الفاظ:۔ شاہ = بادشاہ +فقیر۔ بھکاری۔ منگتا + خالق = پیدا کرنے والا۔ خدا + اسیر = بندی۔ قیدی + اشراف = شریف کی جمع۔ عزت دار لوگ + دل جلانا = سخت رنج وغم دینا +

تشریح:۔ نظم کے اس آخری بند میں نظیر اکبر آبادی فرماتے ہیں کہ اللہ کرے کہ دنیا میں وہ کسی بادشاہ وگدا اور کسی امیر یا فقیر کو مفلسی میں مبتلا نہ کرئے یعنی افلاس کے قید میں قیدی نہ بنائے۔ کیونکہ یہ مفلسی ایک عزت دار انسان کو ایک لمحے میں تنگ دست اور فقیر بناتی ہے نظیر اکبر آبادی اپنے آپ سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں کہ نظیر میں مفلسی کی کیا کیا خرابیاں بیان کروں ان خرابیوں کو تو وہی شخص جانتا ہے۔ جس پر مفلسی غالب ہوجاتی ہے۔اوراُس کی زندگی سخت رنج ومصیبت میں گرفتار ہوجاتی ہے۔

سوال نمبر۱:۔ مفلسی آدمی کو کس کس طرح سے ستاتی ہے؟

جواب:۔ نظیر اکبر آبادی اس نظم میں کہتے ہیں کہ مفلسی آدمی کو ہر طرح سے ستاتی ہے۔ مفلسی سے انسان میں طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہے اُسے بھوکا اور پیاسا سلاتی ہے۔اُسے پانی کی ایک ایک بوند کے لئے اور ایک ایک روٹی کے ٹکڑے کے لئے ترساتی ہے۔ مفلسی انسان کو بادشاہ سے فقیر بناتی ہے۔طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا کردیتی ہے۔اُسے پھٹے کپڑے پہناتی ہے اس کی شکل وصورت قیدیوں جیسی بناتی ہے۔

سوال نمبر۲:۔ مفلسی کو ہروقت کس چیز کی فکر رہتی ہے؟

جواب:۔ مفلسی کو ہروقت روزی روٹی کی فکر رہتی ہے۔اس فکر میں وہ دن رات محنت کرتا ہے۔روزی روٹی کی فکر اُسے اپنے آپ سے بے خبر کرتی ہے۔جس کی وجہ سے اُس کے کپڑے پھٹے ہوئے ہوتے ہیں۔وہ روٹی کے لئے لڑتا جھگڑتا رہتا ہے۔ کتے کی طرح روٹی پر ٹوٹ پڑتا ہے۔

سوال نمبر۳:۔ **(بند نمبر۳ کی تشریح سوال نمبر۳ کا جواب ہے)**

سوال نمبر۴:۔ گرامر:۔ محاورہ کے معنی بات چیت کرنے کے ہیں۔مگر قواعد میں دو یا دو سے زیادہ لفظوں کا مجموعہ جس کے اصلی معنی کے بجائے مرادی معنی لئے جائیں محاورہ کہلاتا ہے۔مثلاً ''نو دو گیارہ ہونا'' محاورہ ہے۔اس کا حقیقی معنی ہے نو میں دو جمع کریں تو گیارہ ہوں گے لیکن اس کے مرادی معنی ہیں ''بھاگ جانا'' ہے۔محاورے کے لئے ایک خاص بات دھیان میں رکھنی چاہئے۔ کہ جو محاورہ شروع سے جس طرح چلا آتا ہے۔اُسے ویسا ہی استعمال کریں گے۔اس میں کمی وبیشی سے اس کا مفہوم غلط ہوجائے گا۔ پھر وہ محاورہ نہیں بلکہ کچھ اور ہی کہلائے گا

جیسے خوشی کے خاص جذبے کے لئے ایک محاورہ ہے ''دل باغ باغ ہوگیا'' اس کو اگر یوں استعمال کریں کہ ''دل چمن چمن ہوگیا''۔ یا ''دل گلش گلشن ہوگیا'' تو مفہوم اور محاورہ بھی غلط ہوگا۔

درج ذیل محاورات کے معنی لکھئے اور جملوں میں استعمال کریں۔ دل جلانا۔ چھاتی پر مونگ دلنا۔ جان پر کھیلنا۔ نظر لگنا

ا:۔ دل جلانا = سخت رنج دینا = اکبر نے اپنے غلط رویئے سے خامد کا دل جلایا ہے۔

ب:۔ چھاتی پر مونگ دلنا = سخت ایذا دینا — جو کسی کی چھاتی پر مونگ دلتے ہیں وہ خود تباہ برباد ہوتے ہیں۔

ج:۔ جان پر کھیلنا = خطرے میں پڑنا — جان پر کھیلنا مشکل بھی ہے اور آسان بھی

د:۔ نظر لگنا = نظر بد کا اثر ہونا — جب سے تمہاری نظر لگی۔ تب سے میری طبیعت خراب ہے

''نظم:۔ ''رام چندر جی ماں سے رخصت لیتے ہوئے''

چکبستؔ کی حیات اور شعری خدمات پر ایک مختصر نوٹ لکھئے؟

پنڈت برج نارائن چکبست ۱۸۸۲ء میں بمقام فیض آباد پیدا ہوئے۔ آباواجداد کشمیر سے آکر یہاں آباد ہوگئے تھے۔ لکھنو میں تعلیم پائی۔ پہلے بی۔اے کیا پھر قانون کا امتحان پاس کر کے لکھنو میں وکالت شروع کی۔ بچپن سے شعر گوئی کا شوق تھا۔ تعجب ہے اُردو کے اس عظیم شاعر نے اپنے لئے تخلص کا کوئی لفظ استعمال نہیں کیا حالانکہ چکبست ان کا خاندانی لقب ہے۔ شاعری میں وہ اسی نام سے مشہور ہوئے۔ خود فرماتے ہیں۔ میں تخلص کا بھی دنیا میں گہنگار نہیں۔ ۱۹۲۶ء میں ایک مقدمہ کی پیروی میں رائے بریلی گئے تھے۔ اچانک فالج کا حملہ ہوا اور اسٹیشن پر ہی وفات پا گئے۔ اردو ادب کو ان کی ذات سے بڑی اُمیدیں تھیں۔ عجب اتفاق ہے کہ خود چکبست ایک شعر میں اپنی جوان مرگی کا افسوس کر گئے ہیں۔

لی چلی بزم سے کس وقت مجھے مرگ شباب — لب تک آیا بھی نہیں ہاتھ میں پیمانہ تھا

چکبست کسی کے شاگرد نہیں تھے جو کچھ کہا اپنی خداداد صلاحیت و ذہانت کی بدولت کہا۔ لیکن اساتذہ قدیم میں سے میر انیسؔ ، آتشؔ اور غالبؔ کا اثر ان کے کلام میں نمایاں ہے۔ نظم و نثر دونوں پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ ان کے کلام میں قومیت اور جذبہ حُب الوطنی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ چکبست کا مجموعہ کلام ''صبح وطن'' کے نام سے شائع ہوچکا ہے۔ رامائن کو چکبست نے اس خوبی کے ساتھ نظم کیا ہے کہ شاید ہی کوئی اور شاعر کر سکے۔ مختصراً یہ کہ آپ کے یہاں قدیم اور جدید رنگ کی آمیزش پائی جاتی ہے۔

رامائن کا ایک سین کی تشریح

بند نمبر ا:۔

کیا جانے کس خیال میں گم تھی وہ بے گناہ — نور نظر پہ دیدۂ حسرت سے کی نگاہ
جنبش ہوئی لبوں کو بھری ایک سرد آہ — لی گوشہ ہائے چشم سے اشکوں نے رُخ کی راہ
چہرے کا رنگ حالتِ دل کھولنے لگا — ہر موئے تن زبان کی طرح بولنے لگا

تفہیم الفاظ:۔ گم ہونا = کسی خیال میں محو ہونا + بے گناہ = بغیر پاپ کئے۔ بے خطا + نور نظر = بیٹا۔ فرزند + دیدہ = نظر۔ نگاہ۔ نظارہ +

حسرت = ارمان ۔کسی چیز کے نہ ملنے کا افسوس + نگاہ = نظر ۔آنکھ ۔+ جنبش = حرکت ۔گردش + لب = ہونٹ + آہ = کلمۂ افسوس + گوشہ ہائے چشم = آنکھ کے کونے + اشک ۔آنسو + رُخ = گال ۔طرف + راہ = راستہ ۔سڑک + موئے تن = جسم یا بدن کے بال

تشریح:۔ چکبست لکھنوی کی لکھی ہوئی اُردو رامائن سے یہ نظم ماخوذ ہے اوراس نظم کے اس پہلے بند میں چکبست فرماتے ہیں۔ کہ جب رام چندر جی باپ کے حکم کے مطابق بن پاس جانے کی تیاری کر رہے تھے تو اُنکی ماں اُس کی طرف حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی اور نہ جانے وہ کن خیالوں میں گم تھی اس کے ہونٹ ہلے تو اس نے ایک سرد آہ کھینچ لی اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آنکھوں کے کونوں سے وہ آنسو اس کے گال پر پھیل گئے ۔اس کے غمزدہ چہرے سے اُس کے دل کی حالت صاف طور پر عیاں ہو رہی تھی ۔اور اُس کے جسم کا ہر بال کھڑا ہوا تھا اور اصلی زبان کی طرح اپنے دُکھ کا اظہار کرنے لگا۔

بند نمبر۲:۔

آخر اسیر یاس کا قفل دہن کُھلا | واتھا دہان زخم کہ باب سخن کُھلا
اِک دفتر مظالم چرخ کہن کھلا | افسانہ شدا ید رنج و محن کُھلا
درد دل غریب جو صرف بیان ہوا | خون جگر کا رنگ سخن سے عیاں ہوا

تفہیم الفاظ:۔ اسیر = قیدی + یاس = مایوسی + قفل = تالا + دہن = دہان کا مخفف ۔منہہ + محن = تکلیفیں + چرخ = آسمان + کہن = پُرانا + وا = کھلا ہوا + باب = دروازہ + سخن = بات ۔کلام + مظالم = ظلم وستم + شدائد ۔سختیاں ۔تکلیف + درد دل = دلی صدمہ +

تشریح:۔ نظم کے اس دوسرے بند میں چکبست فرماتے ہیں کہ آ کر کار یاس وقنوط میں قید رام چندر جی کی ماں کے منھ کا تالا کُھل گیا ۔یعنی وہ زبان سے کچھ کہنے لگی ۔مطلب یہ ہے جیسے ہی ماں کا مُنہ کُھلا تو گویا باتوں کا ایک دراز سلسلہ شروع ہو گیا اور مظالم کا ایک دفتر کُھل گیا ۔اُس کی زبان پر رنج والم کی گفتگو جاری ہوئی اور اُس کی یہ رنج وغم کی باتیں افسانہ جیسی تھیں ۔رام چندر جی کو رخصت کرتے وقت اُس کی ماں کا دل درد سے بسمل تھا ۔اوراس کی باتوں سے جگر کا خون ٹپک رہا تھا۔

بند نمبر۳:۔

سن کر زبان سے ماں کی یہ فریاد درد خیز | اس خستہ جان کے دل پہ چلی غم کی تیغ تیز
عالم یہ تھا قریب کہ آنکھیں ہوں اشک ریز | لیکن ہزار ضبط سے رونے سے کی گریز
سوچا یہی کہ جان سے بے کس گزر نہ جائے | ناشاد ہم کو دیکھ کے ماں اور مر نہ جائے

تفہیم الفاظ:۔ فریاد = دُہائی ۔نالہ ۔نالش + درد خیز = تکلیف پیدا کرنے والا + خستہ جان = غم زدہ ۔رنجیدہ + تیغ = تلوار ۔شمشر + عالم = جہاں ۔زمانہ ۔کیفیت + قریب = نزدیک + اشک ریز = آنسو بہاتی ہوئی + ضبط = قابو ۔برداشت + گریز ۔پرہیز ۔علاحدگی ۔دور رہنا + بے کس = تنہا ۔محتاج + جان سے گزرنا = جان سے جانا ۔مرجانا + ناشاد = ناخوش ۔غمگیں +

تشریح:۔ نظم کے تیسرے بند میں چکبست لکھنوی فرماتے ہیں کہ جب رام چندر جی نے اپنی مان کی درد بھری آواز میں اُس کی فریاد سُنی تو رام جی کے جسم پر جیسے غم کے خنجر چلنے لگے یعنی ماں کی زبان سے جو بھی لفظ ادا ہوا وہ تیر کی طرح اُس کے جگر میں زخم بنا تا ہوا پیوسط ہوا ۔مگر اُس وقت اگر رام چندر جی صبر اور تحمل سے کام نہ لیتے تو اُس کی آنکھوں سے آنسو کی جھڑی لگ جاتی ۔رام چندر جی نے یہ سوچ کر برداشت

کیا۔ کہ اگر میں اس وقت آنسو کے دو قطرے ہی اپنی آنکھوں سے گرا دوں تو یہ کیفیت ماں کے ستم زدہ دل پر بہت بھاری گزرے گی اور وہ جیتے جی مر جائے گی۔

بند نمبر ۴:۔ کہتے تھے لوگ دیکھ کے ماں باپ کا ملال — ان بے کسوں کی جان کا بچنا ہے اب محال
ہے کبریا کی شان گزرتے ہی ماہ و سال — خود دل سے دردِ ہجر کا کٹتا گیا خیال
ہاں کچھ دنوں تو نوحہ ماتم ہوا کیا — آخر کو رو کے بیٹھ گئے اور کیا کیا

تفہیم الفاظ:۔ ملال = زحمت۔ رنج و غم + مُحال = غیر ممکن۔ مشکل۔ دشوار + کبریا۔ بزرگی۔ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت + شان = عظمت ۔ دبدبہ + ماہ = مہینے۔ چاند + ہجر = جدائی۔ دُوری + نوحہ = ماتم کرنا۔ گریہ وزاری + ماتم = مرنے کا غم۔ گریہ وزاری + بیٹھ گئے = صبر کیا۔ ٹھہر گئے +

تشریح:۔ نظم کے اس چوتھے بند میں چکبستؔ فرماتے ہیں کہ وہاں جو لوگ جمع تھے جب انہوں نے یہ سین دیکھا تو وہ کہتے تھے کہ رام چندر جی کے ماں باپ کے لئے اپنے بیٹے کو رخصت کرنا اور پھر ان کی جدائی میں دن گزارنا بہت ہی مشکل ہو جائے گا۔ بلکہ ان دونوں کا بچنا بہت ہی دشوار ہے مگر اللہ تعالیٰ کی شان کبریائی دیکھئے کہ مہینے اور سال گزرتے گئے اور آہستہ آہستہ ماں باپ کے دل سے بیٹے کی جدائی کا خیال ہی ختم ہو گیا۔ انہوں نے کچھ دن تو ماتم کیا اور کچھ دن رو رو کر بھی گذارے۔ لیکن وقت ہر زخم کا مرہم ہے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے دل سے بیٹے کی جدائی کا غم بھی دُور ہوتا چلا گیا اور صبر کے ساتھ بیٹھ گئے۔

بند نمبر ۵:۔ اکثر ریاض کرتے ہیں پھولوں پہ باغبان — ہے دن کو دھوپ رات کو شبنم انہیں گران
لیکن جو رنگ باغ بدلتا ہے ناگہان — وہ گل ہزاروں پردوں میں جاتے ہیں رائیگان
رکھتے تھے جو عزیز اُنہیں جان کی طرح — ملتے ہیں دست یاس وہ برگ خزان کی طرح

تفہیم الفاظ:۔ ریاض = محنت۔ مشقت + باغبان = مالی۔ پھولوں کا نگہبان + دھوپ = گرمی + شبنم = اُوس۔ نمی + گران = دشوار۔ مشکل ۔ ناگوار + رنگ باغ = باغ کی حالت۔ باغ کی خوبصورتی + ناگہان = اچانک + گل۔ مطلق پھول۔ گلاب + پردہ = اوٹ۔ آڑ۔ نقاب + رائیگان۔ خراب ۔ ضائع + عزیز = محبوب ۔ پیارا + دست یاس = افسوس کے ہاتھ + برگ خزان = گرے ہوئے پتے

تشریح:۔ نظم کے اس پانچویں بند میں چکبستؔ فرماتے ہیں کہ اب ماں باپ خود اپنے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمارا بیٹا اگر ہم سے دُور ہے تو کیا ہوا۔ ہمارے سامنے تو ایک مالی یا باغبان کی کیفیت بھی عیاں ہے کہ کس طرح وہ باغ میں پھولوں کی نگہداشت کرتا ہے دن رات ان پھولوں پر محنت کرتا رہتا ہے پھول بچارے دن میں سورج کی تمازت برداشت کرتے ہیں اور رات کو شبنم کی ٹھنڈک جھیلتے ہیں اُس وقت بھی باغبان اُن کی خبر گیری کرتا ہے لیکن پھر جب قانون قدرت کے مطابق یہی باغ اپنا رنگ بدلتا ہے اور یہی پھول موسم کے ہاتھوں ضائع ہو جاتے ہیں اور یہی مالی جو ان پھولوں کو پنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہے لیکن جب ان ہی پھولوں کو پت جھڑ کے موسم

یں پژمردہ حالت میں پاتا ہے تو کف افسوس ملنے کے سوا اور کچھ نہیں کر پاتا ہے

بند نمبر ۶:۔ اپنی نگاہ ہے کرم کارساز پر صحرا چمن بنے گا وہ ہے مہربان اگر

جنگل ہو یا پہاڑ سفر ہو کہ ہو حضر رہتا نہیں وہ حال سے بندوں کے بے خبر

اُس کا کرم شریک اگر ہے تو غم نہیں داماں دشت دامن مادر سے کم نہیں

تفہیم الفاظ:۔ نگاہ = نظر + کرم = مہربانی + کارساز = کا بنانے والا مراد اللہ تعالیٰ + صحرا = ریگستان + چمن = باغ۔ پھلواڑی + مہربان = مہربانی کرنے والا۔ دوست + سفر = ایک مقام سے دوسرے مقام پر جانا + حضر = سفر کے خلاف ایک جگہ کا قیام + دشت = جنگل۔ صحرا + مادر = ماں۔ والدہ + دامن = داماں کا مخفف۔ آنچل

تشریح:۔ نظم کے اس آ کری بند میں چکبستؔ خالق کائنات کی کاریگری کی داد دیتا ہے۔ اور اس بات کا صاف طور سے اظہار اور اقرار کرتے ہے کہ اگر انسان کی نظر اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم پر ہو اور اگر انسان اللہ کی ذات پر مکمل طور سے توکل کرے تو اس کے لئے کوئی بھی تکلیف تکلیف نہیں رہے گی اس کے لئے ریگستان بھی گلستان بن جائیں گے۔ انسان چاہے جنگلوں میں ہو یا پہاڑوں پر وہ سفر میں ہو یا حضر میں ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے شکر گذار بندوں کے حال سے بے خبر نہیں رہتا ہے بلکہ وہ ہر لمحہ ان کے حال سے باخبر رہتا ہے۔ اگر انسان کے ساتھ اللہ کا کرم و فضل شامل حال ہو تو جنگل اور ریگستاں بھی ماں کی گود یا آنچل کی طرح بن جاتے ہیں۔

سوال نمبر ۱:۔ رام چندر جی کو دیکھ کر اُس کی ماں کیوں رونے لگی؟

جواب:۔ جب رام چندر جی اپنے والد کے حکم اور مرضی کے مطابق بن باس جانے کی تیاری کرتا ہے اور اپنی ماں سے رخصت لینے کی غرض سے اس کی خدمت میں حاضر ہو جاتے ہیں ماں اشک بار آنکھوں سے بیٹے کی طرف دیکھتی ہے ماں اور بیٹے کی جُدائی کا یہ جذباتی منظر ایک المناک صورت حال سے کم نہیں ہے کیونکہ ماں کو معلوم ہے کہ اُس نے کتنے لارڈ پیار سے اپنے بیٹے کو پالا ہے اور وہی شاہزادہ ہو کر فقیر کی زندگی گذارنے پر آمادہ ہو جاتا ہے لہذا اُس کی جدائی کی وجہ سے بہت بے چین تھی رونے کے سوا اُس کے پاس اور کوئی چارہ نہ تھا۔

سوال نمبر ۲:۔ رام چندر جی نے ماں کا حال دیکھکر آنسو کیوں روک لئے؟

جواب:۔ رام چندر جی نے ماں کی درد بھری آواز میں جب اُس کی فریاد سنی تو اُس کے دل پر غم کے خنجر چلنے لگے۔ اور اس کا دل رونے پر آمادہ ہوا مگر رام چندر جی نے صبر و تحمل سے کام لیا اور آنسوؤں کو آنکھوں سے جاری نہ ہونے دیا کیونکہ ان نے سوچا کہ اس وقت ماں کی حالت پہلے ہی میری جدائی کے غم میں بہت خراب ہے اب اگر میں آنسو بہاوں گا تو ماں کی حالت اور خراب ہو جائے گی۔ اور وہ جیتے جی مر جائے گی۔

سوال نمبر ۵:۔ ''ہر موئے تن زبان کی طرح بولنے لگا'' اس مصرعے کے ذریعے شاعر کیا کہنا چاہتا ہے؟

جواب:۔ اس مصرعے کے ذریعے شاعر کہنا چاہتا ہے کہ رخصت کی گھڑی میں ماں کا ہر ایک عضو جسم کا بے قرار اور بے چین تھا بلکہ اس کے بدن کا رواں رواں بے قرار تھا اور اس بات کی گواہی جسم کے بالوں سے صاف ظاہر تھا۔ جو اُس وقت بے قراری اور بے چینی کی وجہ سے کھڑے ہو گئے تھے اور زبان حال سے ماں کی بے چینی کا اظہار کرتے تھے۔

سوال نمبر۶:۔گرام:۔ اسلم کا گھوڑا۔زید کے دشمن۔اکبر کی بلی+ان فقروں میں دو اسموں کے درمیان ایک تعلق یا رشتہ پایا جاتا ہے اور اس تعلق کو اضافت کہتے ہیں۔جس اسلم کا تعلق ظاہر کیا جائے اس کو مضاف کہتے ہیں اور جس کے ساتھ تعلق ظاہر کیا جائے اس کو مضاف الیہ کہتے ہیں اور ان کے درمیان میں پایا جانے والا حرف ''حرف اضافت'' کہلاتا ہے۔جیسے گھوڑا۔دشمن۔اکبر مضاف ہیں اسلم۔زید۔اکبر مضاف الیہ ہیں کا۔کے۔کی حرف اضافت۔اُردو مرکب اضافی میں مضاف الیہ پہلے اور مضاف بعد میں آتا ہے اور درمیان میں حرف اضافت ہوتا ہے۔مگر فارسی زبان میں مضاف پہلے اور مضاف الیہ بعد میں آتا ہے اور ''زیر'' سے اضافت کا کام لیا جاتا ہے جیسے خونِ جگر۔حالِ دل۔دامانِ مادر۔دردِ ہجر ان مرکبات میں خون،حال،دامان،درد مضاف ہیں اور جگر،دل،مادر،ہجر مضاف الیہ اور ''زیر'' حرف اضافت ہے ان کے معنی اگر لکھے جائیں تو اردو مرکب اضافی بن جائیگے جیسے جگر کا خون،دل کا حال،ماں کا دامان،جدائی کی تکلیف۔ان میں مضاف الیہ پہلے ہیں اور مضاف بعد میں ہیں۔

سوال نمبر۷:۔چکبستؔ کی نظم سے چند فارسی مرکبات تلاش کر کے ان کے معنی لکھئے؟

مرکب	معنی	مرکب	معنی	مرکب	معنی	مرکب	معنی
دردِ دل	دل کا درد	دیدہ حسرت	حسرت کی آنکھ	موئے تن	تن کے بال	قفلِ دہن	دہن کا قفل
نورِ نظر	آنکھ کا نور	نوحہِ ماتم	ماتم کا نوحہ	دستِ یاس	یاس کا ہاتھ	برگِ خزان	خزان کا برگ
گوشہ ہائے چشم	چشم کے گوشے	حالتِ دل	دل کی حالت	اسیرِ یاس	یاس کا قیدی	زخمِ دہاں	دہاں کا زخم
دامانِ دشت	جنگل کا دامان	نگاہِ کرم	کرم کی نگاہ	رنگِ باغ	باغ کا رنگ	باغِ سخن	سخن کا باغ

سوال نمبر۸:۔ان الفاظ کے متضاد لکھئے؟ حضر۔ محال۔قریب ۔ صحرا۔ہجر ۔تیز۔عیاں

الفاظ	ضد	الفاظ	ضد	الفاظ	ضد	الفاظ	ضد
حضر	سفر	محال	آسان	صحرا	گلستان	تیز	کُند
سفر	حَضر	قریب	بعید	ہجر	وصال	عیاں	نہاں

سوال نمبر۳:۔چکبستؔ کی اس نظم کا خلاصہ لکھئے؟

جواب:۔راماین کا ایک سین جس کا عنوان ''رام چندر جی ماں سے رخصت لیتے ہوئے'' یہ نظم چکبست لکھنوی کی لکھی ہوئی اُردو راماین سے ماخوذ ہے۔چھ بندوں پر مشتمل یہ نظم وہ منظر پیش کرتی ہے جب رام چندر جی اپنے والد کے حکم اور مرضی کے مطابق بن باس جانے کی تیاری میں ہیں وہ اپنی ماں سے رخصت لینے کی غرض سے اُس کی خدمت میں حاضر ہو جاتے ہیں ماں نہ معلوم کن خیالوں میں گم تھی اور بیٹے کی طرف حسرت بھری نظروں سے دیکھتی ہے اور منھ سے ایک سرد آہ کھینچ کر کچھ کہنا چاہتی ہے مگر آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔اور یہ آنسو اُس کے چہرے پر پھیل گئے اُس کا غمزدہ چہرہ دل کی حالت بیاں کر رہا تھا۔پھر بہت ہی مایوسانہ انداز میں بیٹے سے کچھ کہنے لگی جس کا سلسلہ

دراز ہوا اور مظالم کا ایک دفتر کھل گیا گو اس کی یہ رنج و غم کی باتیں افسانہ جیسی تھیں اور باتوں سے جیسے خون جگر ٹپک رہا تھا۔ رام چندر جی نے صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے ماں کی گفتگو کو سُنا اور اپنے آنسو ضبط کر لئے۔ رام چندر جی یہ سوچ کر برداشت کیا کہ اگر میں اس وقت آنسو کے دو قطرے ہی آنکھوں سے گرادوں تو یہ ماں کے ستم زدہ دل پر بہت بھاری گزریں گے اور وہ جیتے جی مر جائے گی دیکھنے والوں کو محسوس ہوا کہ رام چندر جی کی جدائی اُس کے ماں باپ برداشت نہیں کر پائیں گے۔ لیکن یہ اللہ کی شان ہے کہ ماہ و سال گزرتے گئے ماں باپ کے دل سے بیٹے کی جدائی کا خیال ہی ختم ہوا۔ وہ کہتے رہے کہ باغبان بھی پھولوں پر محنت کرتا ہے ان کو دن کی گرمی اور رات کی ٹھنڈک سے بچاتا ہے۔ پھر بھی یہ پھول خزان میں ضائع ہو جاتے ہیں۔ آخری بند میں چکبستؔ خالق کائنات کی کاریگری کی داد دیتا ہے اور اس بات کا بر ملا اظہار کرتا ہے کہ اگر انسان کی نظر اللہ کے رحم و کرم پر ہو اور اُس کی ذات پر توکل کرے تو پھر اُس کی مہربانی سے صحرا بھی گلستان بن جاتے ہیں۔ انسان پہاڑ پر ہو یا جنگل میں ہو حضر میں ہو یا سفر میں ہو اللہ اپنے شکر گذار بندوں کے حال سے کبھی بے خبر نہیں رہتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اُن کے حال سے باخبر رہتا ہے اور اپنے فضل و کرم سے انسان کے لئے جنگل بھی ماں کی گود کی طرح بن جاتے ہیں۔

********************END**********************